تذکرہ حضرت سیدنا امجھری

حکیم سید عبدالجلیل قادریؒ

تذکرہ حضرت سیدنا امجھری

[تذکرہ مجد فی سیرۃ سید محمد]

حکیم سید عبدالجلیل قادریؒ

تفصیلات کتاب

[حقوق محفوظ]

نام کتاب	:	تذکرہ حضرت سیدنا امجھری
مصنف	:	سید عبدالجلیل قادری
سنہ اشاعت	:	۲۰۲۵ مطابق ۱۴۴۶ھ (باردوم)
مقام اشاعت	:	استھاواں بہار شریف (نالندہ)
رابطہ نمبر	:	8877801863

تمہید

سید محمد قادری انجھری کا شمار مشہور بزرگوں میں ہوتا ہے، بالخصوص بہار میں ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، وہ نویں صدی ہجری کے اواخر اور دسویں صدی ہجری کے اوائل کے بزرگ ہیں، اور سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں ہیں، اور براہ راست بغداد سے تشریف لائے تھے اور انجھر ہی میں مقیم ہوئے اور یہیں کی خاک میں آسودۂ خواب ہوئے۔

عام طور پر ان کے معاصر اور قریب العہد بزرگوں میں حضرت مخدوم الملک اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کو چھوڑ بہت کم لوگوں کے حالات اتنی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، کسی بھی بزرگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات دستیاب ہیں، ان کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر ان کی وفات کے کم از کم دو صدی کے بعد لکھی گئی ہیں، لیکن حضرت سیدنا کے حالات وسوانح پر براہ راست خود ان کے مسترشد اور دیرینہ رفیق شیخ علی شیر شیرازی نے ان کی وفات کے بعد موضع کٹمبا (ضلع اورنگ آباد) میں فارسی میں مناقب محمدی کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا، اس کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں اور اردو ترجمے کے ساتھ اس کا متن بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں ایک عربی تحریر کا بھی حوالہ ہے جو حضرت انجھری کے خلیفہ کریم الدین حسین مکی اور شیخ حسن مدنی کی طرف منسوب ہے، لیکن مصنف نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ باضابطہ کتاب تھی یا ضمنا کوئی تحریر، اور براہ راست انہیں اس سے استفادہ کا موقع ملا یا نہیں، لیکن انہوں نے کریم الدین حسین مکی کے حوالہ سے جو واقعات نقل کئے ہیں وہ سب رسالہ مناقب محمدی میں موجود ہیں، اس لئے اغلب یہ ہے کہ اسی سے کسی نے چند واقعات عربی میں نقل کئے ہوں گے، کریم الدین مکی سے علی شیر شیرازی کی ملاقات تھی لیکن انہوں نے کہیں ان کے رسالہ کا ذکر نہیں کیا ہے اس لئے بہ ظاہر ان کے مستقل رسالہ کی اطلاع درست نہیں۔ بارہویں صدی میں اس سلسلہ کے ایک

بزرگ قاضی جواد نے مزید اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اپنے دور تک کے انساب اور اس خاندان کے مشاہیر کا تذکرہ محفوظ کیا، اس کا قلمی نسخہ خانقاہ مجیبیہ میں ہے اور غالباً مجھر اور ان اس علاقہ کے دیگر لوگوں کے پاس بھی ہوگا۔ ایک اور کتاب تاریخ داودیہ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، لیکن مصنف کا نام نہیں لکھا گیا ہے، جناب سید انیس احمد قادری نے حیات سیدنا میں ایک جگہ اس کا تفصیلی اقتباس نقل کیا ہے، اور مولانا عبدالرؤف ندوی کے مضمون میں بھی اس کا حوالہ آیا ہے، ممکن ہے قاضی جواد کی کتاب ہی کو تاریخ داودیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہو، لیکن پروفیسر حسن عسکری نے خانقاہ مجیبیہ کے قلمی نسخہ سے استفادہ کیا تو اس کا نام تذکرہ جوادیہ لکھا ہے، پیش نظر کتاب میں ایک جگہ قاضی جواد کی اس تصنیف کا ذکر ہے لیکن نام مذکور نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا مجھری کے حالات کی ترتیب وتدوین سے اہل علم غافل نہیں رہے اور ہر دور میں کچھ نہ کچھ ان پر لکھا جاتا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے محققین کو اس کے باوجود بھی شبہ ہے۔ مذکورہ بالا مآخذ کا استناد اور نسخوں کی قدامت یہ سب باتیں تحقیق طلب ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ بات بھی مسلم ہے کہ جب تک ان مآخذ کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو اتنی آسانی سے ان کو رد کرنا ممکن نہیں، البتہ اس میں کشف وکرامت کی بہت سی ایسی باتیں درج ہوگئی ہیں جو سمجھ سے بالاتر ہیں، لیکن چند واقعات میں مبالغہ آرائی کا عنصر ہونا اور بات ہے، جو معتبر مصنفین کے یہاں اور مستند کتابوں میں بھی بھی نظر آتی ہیں، ان کی وجہ سے پورے مشمولات کو نظر انداز کردینا درست نہیں۔

حیات سیدنا کے مرتب ومترجم شاہ انیس احمد قادری داودنگری (م ۱۳۶۴ھ) نے مذکورہ بالا تاریخ داؤدیہ کے حوالہ سے حضرت مجھری کے خلف الرشید اور جانشین کو شیر شاہ کی طرف سے جاگیر دئے جانے کے حکم نامہ اور فرمان کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خانقاہ اس وقت معروف تھی، اور شیر شاہ کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز اسی علاقہ سے ہوا تھا۔

لیکن شاہ انیس احمد صاحب نے مناقب محمدی کا ترجمہ کرتے وقت اس کا مقدمہ چھوڑ دیا ہے، اور پیش نظر کتاب سے جابجا عبارتوں کا اضافہ بھی کر دیا ہے، جب کہ وہ صرف مناقب محمدی کا ترجمہ پیش کر رہے تھے، ایسی صورت میں مکمل کتاب کا ترجمہ ہونا چاہئے تھا اور مزید اضافوں کو اخیر میں جگہ دینی چاہئے تھی۔ مقدمہ کتاب کا نہ متن شامل ہے نہ ترجمہ۔ کتاب کا ترجمہ بھی مکمل نہیں ہے بلکہ مفہوم کی ادائیگی ہوگئی ہے، البتہ مناقب محمدی کا متن محفوظ ہو گیا ہے۔(دیکھئے حیات سیدنا مطبوعہ داونگر ضلع اورنگ آباد ۱۹۹۹ء/۱۴۲۰ھ)

مناقب محمدی کا ایک نسخہ پہلے پٹنہ یونیورسٹی (۱) کے کتب خانہ میں تھا جس کے حوالہ سے مشہور مورخ پروفیسر سید حسن عسکری نے حضرت سیدنا کا تعارف کرایا تھا۔

اس کتاب کے مرتب عبدالجلیل صاحب کے مفصل حالات نہیں ملتے، انہوں نے بالکل اخیر میں اپنا نسب نامہ ذکر کیا ہے، کہ سیدنا کے اخلاف میں حضرت شاہ سلیمان قادری کی نسل سے ہیں، تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی سے اچھی طرح واقف تھے اور اپنے زمانہ کی اردو اچھی طرح لکھ سکتے تھے، تصوف اور اس کی متعلقہ کتابوں کا مطالعہ بھی اچھی طرح کیا تھا، البتہ شاید عربی پر ان کی ویسی نظر نہیں تھی جیسی ہونی چاہئے، اردو زبان بھی اس دور تک بہت کچھ ترقی کر چکی تھی لیکن اس کتاب میں زبان کا معیار کوئی بلند نہیں معلوم ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ بہت کم بھی نہیں ہے۔ مصنف نے بعض حواشی میں اپنی دو تصانیف کا ذکر کیا ہے، جغرافیہ ضلع گیا اور اذکار طیبہ فی ذکر اولاد محمدیہ، جو اس نسل کے خاندان کے لوگوں کا نسب نامہ ہے، اس سے زیادہ اپنے متعلق کوئی اور اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔

پیش نظر کتاب تذکرہ مجدد فی سیر سید محمد ایک صدی قبل لکھی گئی اردو تصنیف ہے، جس میں

---

(۱) پٹنہ یونیورسٹی کے عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست میں وہ نسخہ نہیں نظر آیا البتہ خدا بخش لائبریری میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جس کا نمبر HL ۳۳۸۵ ہے۔

مناقب محمدی کے علاوہ قاضی جواد کی تذکرہ جوادیہ یا تاریخ داودیہ بھی ان کے پیش نظر رہی ہے۔کتاب کی زبان میں قدامت زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود اردو کی اولین کوشش ہونے کی وجہ سے ہم نے اس کی اشاعت مناسب سمجھی ،اس میں جا بجا علاقائی الفاظ بھی زیر قلم آ گئے ہیں، اور عربی فارسی کی نامانوس ترکیب بھی، جہاں قواعد کے خلاف معلوم ہوا وہاں ہم نے کذا لکھ دیا ہے۔اس کی پہلی طباعت کے بعد اب تک کسی دوسری طباعت کا علم نہیں، پہلی طباعت بہت قدیم ہے جو بالکل مخطوطہ کی طرح معلوم ہوتی ہے،اس لئے جا بجا سمجھنے میں بہت دقت نظر سے کام لینا پڑا پھر بھی بعض مقامات سمجھ نہیں آئے اس لئے وہاں سوالیہ نشان ڈال دیا گیا ہے۔

یہ کتاب کب شائع ہوئی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے،البتہ مصنف نے لکھا ہے کہ ۱۳۰۴ھ کے عرس میں اجھر کے مشہور عالم مولانا سید تبارک حسین اجھری کے دور میں اس کی تصنیف کا آغاز ہوا،امید ہے کہ اس کے دو تین سال کے عرصہ میں یعنی ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں اس کی طباعت ہوگئی ہوگی۔اس حوالہ سے یہ بہار کی اردو کی اولین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، جناب مظفر اقبال صاحب نے بہار میں اردو نثر کا ارتقاء میں کتب سوانح کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے۔اس کے سرورق پر حسب ذیل الفاظ ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

''تذکرہ مجد در سیر حضرت سید محمد قادری البغدادی ثم الاجھری وفن تصوف حسب فرمائش مؤلف در مطبع منشی گنگا پرشاد ور ماو برادران لکھنؤ طبع شد''۔

ہم نے اس کتاب کے صرف متن کو شامل اشاعت کیا ہے، حواشی میں انہوں نے تصوف اور دیگر اصطلاحات کا جا بجا جو مفصل تعارف کرایا تھا اس کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، کیوں کہ ایک تو یہ زبان خود قدیم ہو چکی ہے، دوسرے اس طرح کے موضوعات سے اہل علم واقف ہیں، اور دسیوں کتابیں موجود ہیں، ہاں دو تین حواشی جو کتاب سے متعلق تھے اور اہم تھے

انہیں شامل کرلیا گیا ہے۔فہرست مطالب کتاب بھی جس میں حواشی بھی تھے شامل کتاب نہیں کی گئی ہے۔اب ضرورت ہے کہ سیدنا المجھری کا معاصر علمی زبان میں ایک مختصر تذکرہ لکھا جائے۔

اس کتاب کے ساتھ پروفیسر سید حسن عسکری کا مضمون اوراس علاقہ کے معروف عالم ومورخ مولانا سیدعبدالرؤوف ندوی کا تبرکات وتاریخ سے متعلق ایک مضمون شامل مجموعہ کرلیا گیا ہے تاکہ قارئین اس مختصر تذکرہ کے ساتھ ان دونوں تاریخی مضامین سے بھی واقف ہوسکیں،اور ان کی روشنی میں حضرت المجھری کے حالات سے مزید واقف ہوسکیں۔

ہمیں امید ہے کہ یہ مجموعہ قدر کے ہاتھوں سے لیا جائے گا اور صاحب سوانح ومصنف کے ساتھ مرتب کو دعاؤں میں یادرکھا جائے گا۔**ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم.**

طلحہ نعمت ندوی

بمنڈیہہ اورنگ آباد

۱۰ رجب ۱۴۴۶ھ

[مقدمہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمامی حمد وثنا کا سزا وار وہی ایک واجب الوجود صانع جہاں ہے جس کا وجود ہر نہاں میں عیاں اور اس کا شاہد وشہود ہر ذرہ و مہر تاباں ہے، اسی کی قدرت سے سورج، چاند، زمین آسمان، جماد، نبات، حیوان ،اور انسان ہر ایک عالم ہویدا، جن کی بناوٹ انوکھی ،ساخت نرالی ،رنگ عجائب ،ڈھنگ غرائب، ایک سے ایک طرفہ، ایک دوسرے سے عجوبہ ہے ۔اس کی ساری خلقت کا جاننا تو بشر کی طاقت سے باہر ہے، اگر حضرت انسان اپنے تئیں آپ ہی دیکھے تو اس وجود بین العدمین میں اور ہی روپ نرالا کارخانہ، ہر ایک سے بیگانہ اور سب سے یگانہ پائے۔

کبھی اس کا ماں باپ کے بھولے بھالے خیال میں رہنا، پھر رحم مادر میں آنا، دنیا میں پیدا ہونا، نشو ونما کا پانا، کیڑوں کی طرح اٹھنے بیٹھنے کی سکت نہ رہنا، زمین ہی پر لوٹنا پھر چوپایوں کے ایسا گھٹنوں کے بل چلنا، بلوغ کو پہنچنا، پھر کسی کا جوانی کی امنگ میں جادہ اعتدال سے چل نکلنا، اللہ اللہ! پھر اتنا اترانا کہ کچھ اختیار پا کر اپنے ہی ہم جنسوں کو ستانا، کسی کا بچپن سے ہی سعید ہونا، خدا ہی کے دھیان وگیان میں محو رہنا، اپنی آپ خبر نہ لینا، کسی کا جادو بیانی سے خلائق کو رجھانا، رنگ برنگ کے کرامات دکھانا، الغرض بغور دیکھو تو ساری خدائی کا نمونہ ہے، اور یہ سب اسی قادر بے چوں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

خدا کی حمد کے بعد ثنا وصفت کے قابل انبیائے کرام ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں درجہ بدرجہ آ کر نور عرفان وایمان کا انسان کے دلوں میں بیٹھایا، خدا کے اثبات وتوحید کے لئے ہزاروں انوکھا معجزہ دکھایا، علت ومعلول کا فرق بتایا، جس کے باعث مخلوق نے اپنے خالق کو

پہچانا، وحدہ لاشریک لہ جانا۔ اوران میں بھی دردونا محدود بھیجنے کے لائق خاصۂ خاصان رسل، ہادی سبل خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات بابرکت ہے، جن کے چراغ ہدایت سے عالم منور ہوگیا، اورانسان **لقد کرمنا بنی آدم** کا مورد بنا، نہیں تو آج ہر فرد بشر کفر کے دلدل میں پھنسا رہتا، ظلمات جہالت میں ٹھوکریں کھاتا۔

امابعد۔ کہتا ہے عبدالجلیل بن الحکیم سید احمد حسین ولد سید حمایت علی غفرلہما اللہ القوی کہ امسال غرہ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں رئیس کونین، متبع سنت رسول الثقلین مولوی حافظ قاضی سید تبارک حسین صاحب یکے از اولاد حضرت سید قدس سرہ العزیز کے معالجہ کے واسطے موضع انجھر پرگنہ انجھا ضلع گیا مضاف صوبہ بہار میں خاکسار کا گذر ہوا، اتفاقاً اسی دن حضرت سید السادات رفیع الدرجات، اعرف العرفاء، اکمل الکملاء، افضل الانجاب، قطب الاقطاب سید محمد قادری جیلانی قدس سرہ السامی کا عرس تھا جس میں اطراف وجوانب کے ہزاروں خاص وعام کا ہجوم واژدہام دیکھا، حتی کہ سب ڈویزن کے مجسٹریٹ، قوم کے ہندو بنگالی بھی بظاہر حسن عقیدت سے شریک تھے۔

مراسم عرس کے بعد اس مجلس میں سید کے حالات، سیر اور کرامات واقعی کے استفسار واستدراک کا واقعہ اکثر مزاورین [کذا] خصوصاً علاقہ کے حاکم موصوف وتراجم وتواریخ کے شایقین کی جانب سے واقع ہو، لیکن وہ کچھ معمولی باتوں کی طرح نہیں گذرا بلکہ مجھ ناچیز کو چارنا چار اس امر پرآمادہ ہی کرچھوڑا کہ حضرت ممدوح کا تذکرہ جو کچھ بعض لوگوں کے پاس پرانی کتابوں میں اورفارسی، عربی زبان میں موجود ہے مگر عام فہم نہ ہونے کے باعث نسیاً منسیاً ہورہا ہے اس کو حال کی بول چال میں درست کرکے ان کے نام نامی کو حیات جادوانی کی خلعت پہنائیں اورمشتاقین علم سیر کے نائرہ شوق کو اس سے بجھائیں۔ ہرچند اپنے میں یہ قابلیت نہیں پاتا تھا کہ یہ امراہم مجھ جیسے عدیم الفرصت سے انجام پاتا، لیکن اس خیال نے جو آٹھ پہر

چونسٹھ گھڑی دامن گیر حال رہا سخت مجبور کر رکھا تھا، لہذا یہ کتاب بنا کر رفع انتشار کیا اور ''تذکرہ مجدد فی سیر سید محمد'' کے نام سے موسوم کیا۔

علت غائی اس کتاب کی حضرت سید کی لازوال یادگار ہے، اور عرفائے زمانہ کے لئے ان کے حالات کی واقف کاری اور حال کے مردہ دلوں کی زندہ دلی کی اشتعالک [کذا] ہوئی اور آیندہ نسلوں کی دل افزونی خیال کرنا چاہئے، کیونکہ انسان کی طبعی خاصیت ہے کہ جب وہ دوسروں کو اعلیٰ درجہ پر پہونچا ہوا دیکھتا یا سنتا یا اگلوں کے کمالات کسی کتاب میں پڑھتا ہے تو خواہ مخواہ غبطہ (ہسکا) ہوتا ہے، اللہ جل شانہ قرآن مجید میں فرماتا ہے **فلیتنافس المتنافسون** (چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے) اور یہ عادت انسانی ایسی بدیہی ہے، جو بوڑھیاں تدبیر منزل کی اصلاح کے لیے مثل میں کہتی ہیں کہ ''ہسکا کرنے سے گھر آباد اور ریس سے برباد ہوتا ہے''۔

علاوہ بریں مصنف نے اکثر فوائد مطالب صوفیہ، کرامت وغیرہ کی حقیقت، انسان کے معمر ہونے اور تندرست رہنے کے اسباب وغیرہ دعوۃ الناظرین کے خیال سے نہایت سہل و عام فہم لفظوں میں بیان کردیا ہے۔

معذرت

اگرچہ یہ میرا چھوٹا سا دسترخوان جس پر سیر و کرامات کی عمدہ نعمتیں چنی ہوئی ہیں حضرات مشائخ و عرفائے زمانہ کے واسطے جنہیں کمالات باطنی کے دیکھنے اور پرکھنے کی بصیرت ہے، اور مقدس علماء کے لئے جو کرامات وارہاص کے منکر نہیں یا ہمارے سیدھے سادے، بھولے بھالے خدا کے پیارے بندوں کے نزدیک جو ہر ایک انوکھی باتوں کو سن کر یقین کرتے ہیں عمدہ روحانی غذائیت بخش ارمغان ہے، پر نئے فیشن والے جو کسی کتاب میں اپنی سمجھ سے باہر باتیں دیکھ پاتے تو بیچارے مولف پر ہی زبان صاف کرنے اور اسی کی گڑہت خیال کرتے ہیں۔

چونکہ میں اس طبقہ کا شخص نہیں ہوں جو خود کرشمے دکھا کر یہ کہوں۔'' میاں وے تو اگلے بزرگوار تھے ان کی کرامات جو کچھ منقو نہ ہو تھوڑی ہی ذرا تم ادھر تو آ کر دیکھ جاؤ اب بھی خدا کے بندے موجود ہیں۔'' اس لئے اتنی معذرت کر دینی ضرور ہے کہ جو کچھ اس رسالہ میں کہیں کہیں پر کرامات لکھے گئے ہیں وہ آج کل کی سنی سنائی باتیں نہیں ہیں بلکہ شیخ کریم الدین حسین مکی اور شیخ حسن مدنی نے عربی میں اور علی شیر شیرازی نے فارسی میں جو سید کے خلفاء کبار سے تھے جس قدر تذکرہ حضرت کا ارقام کیا ہے بعینہ وہی درج ہوا ہے، مصنف کے دل کی اپج ایک بھی نہیں ہے، اگر شبہہ ہو تو ان کتابوں کو ملاحظہ کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے، اسی واسطے جس کتاب سے روایت منقول ہوئی ہے اس کے مولف کا نام بھی اسی جگہ پر لکھ دیا گیا ہے وہ بلا قید نام کے مرقوم ہوا ہے۔ البتہ ان رسالوں سے جو حکایت منقول ہوئی ہے محض ترجمہ کے طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ عام فہم ہونے کے خیال سے حال کے طرز پر ان سے مطلب اخذ کر لیا گیا۔

سید کا نام کنیت اور لقب کا بیان

آپ کا نام محمد کنیت ابومعین الدین ہے۔اور بغداد وطن قدیم ہونے اور موضع انجھر میں سکونت اختیار کرنے کے باعث بغدادی اور انجھر ی کہتے ہیں۔آپ کے خانوادے کے مریدان ومعتقدان واولاد عموماً سید امیر اور سیدنا کہتے ہیں لیکن علی شیر شیرازی نے ۱۱۵/القاب مندرجہ ذیل لکھا ہے۔

حاجی ولی عارف کاشف خادم عالم واصل فاضل عامل کامل نقی نقی متقی سراج عزیز منور مامور مبارک معین حکیم مونس رفیع قادری حافظ واعظ مصلی کریم سلیم نافع شریف لطیف محدث مقرر عاشق ساجد راکع قائم سخی داعی خاشع خاضع سید موید رقیق شفیق خلیق محقق مدقق ،اشد مرشد طاہر مطہر جمیل معظم مکرم مقرب مودب ذاکر شاکر صالح فاتح راسخ مظفر منصور ہادی صادق جواد محبؔ محبوب حبیب سعید رشید زکی سالک زاہد عابد کاظم علیم محامد مجاہد محمود مسعود واحد محفوظ راجی حمید مکمل مقرر،موصول مقبول مطلوب غازی واقع منیر خالق محترم مرید مراد قریشی ہاشمی ،مصطفوی، مرتضوی،حیدری،حسنی،عینی،،محصی ،جونی زاہدی مکی جیلانی بغدادی انجھر ی جیلی جیالی وجمالی۔

ان الفاظ کے بعد شیرازی لکھتا ہے کہ سیدنا کی ذات جامع کمالات ہر ایک مدارج فقراء اولیاء کو طے کر چکی تھی،اور منازل اقصی الغایات تک پہونچی ہوئی تھی لہٰذا جتنے اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف اور القاب حسنہ کے ساتھ ملقب کئے جاوے تھوڑا ہے، کیونکہ صوفیوں کے مسلک میں عارف کامل ہر ایک صفات باری کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے۔اور اسمائے باری گر چہ توقیفی اور نو دو نہ نام اس کے مشہور ہیں پر اسماء توصیفی اس کے محصور نہیں،اسی طرح فقیر کے القاب بھی محدود نہیں ہوسکتے،اس واسطے کہ جب عارف نے جذبات نفسانی،تعلقات بدنی،اور لذت جسمانی کو چھوڑا،ساری خدائی سے منہ موڑا،اپنے جان وتن کو مردہ بدست زندہ کی طرح اللہ ہی

کے حوالہ کیا، خطرات غیر اللہ کو دل سے نکال پھینکا، اور ہر دم اور ہر آن اسی کے دھیان میں محو اور بے خود ہو گیا، حتیٰ کہ خودی کا خیال بھی جو علم ضروری وحضوری ہے کفر سمجھا تو پھر اس کے فانی فی اللہ ہونے کیا شبہہ باقی رہا، اور جب جذبۂ شوق اور غلبہ عشق نے اس کے خواطر شہوانیہ وکثافت جسمانیہ کو ایسا جلا کر خاک سیاہ کر چھوڑا کہ اس کو دنیا ومافیہا کے کسی کام کا نہ رکھا تو پھر عالم قدس پر بھی اس کے عشق کا اثر جذب مقناطیس اور کشش کہربائی کی طرح پڑتا ہے، اور اپنی جانب یہاں تک متوجہ کراتا ہے کہ وہ بے اعضا اور بدن والا اپنے عارف کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان تک کو اپنا ہی قرار دے کر اس کی فنا کو مبدل بہ بقا کر دیتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

یعنی عارف بمقتضاے اس حدیث کے (**فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یشمی بها**) فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے، اور پھر ہر ایک صفات کے ساتھ اور اس کے موصوف ہوتا ہے۔ رنگ یکرنگ دورنگی نے کیا کیا آئینہ رفتہ رفتہ میری صورت یار کی صورت ہوئی۔ اسی مرتبہ میں عرفاء پر وحدت وجود کا بھید کھلتا ہے اور بعضے اور اولیاء اس بیخودی میں ایسا ہے کچھ بول بھی اٹھتے ہیں اور ان کے ارادات پانے والے انہیں مظہر حق سمجھتے اور اپنی حالت فنا فی الشیخ میں (**یا شیخ عبد القادر جیلانی فی شیئا للّٰہ**) کا ورد پڑھتے ہیں۔ اس عالم محویت میں عارف تمامی عالم کو فانی ہونے کے باعث موجود ہی نہیں خیال کرتے فقط ایک ہی وجود کو موجود حقیقی مان کر مخلوق وخالق کا فرق صرف تعین وتشخصات کی قید سے کرتے اور بالکل ہمہ اوست ہی کے دھیان میں ڈوبے رہتے ہیں۔ بقول شاعر۔

بسا دل میں جب سے تو خوبرو ہے　　　جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہی

اور یہ بات کچھ ایسی نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکتی ہو،مجاز واستعارہ کو بڑی وسعت ہے، عبد ومعبود کی مثال مالک ومملوک سے ہے، جب غلام معتمد ہوتا ہے تو آقا اس کو اپنے مال پر پورا متصرف کردیتا ہے، پھر دوسرے لوگ اور خود وہ بھی ہر ایک چیزوں[کذا] کو آقا کی اپنی ہی سمجھتا ہے۔

دیکھو تل جب چمبیلی کی کلی کے ساتھ بستی اور خوبو اس کی حاصل کرتی ہے تو پھر انسان نام بھی اس کا بھول جاتا اور چمبیلی ہی کا تیل کہتا ہے۔

اسی طرح جب کثافت جسمانی اور ظلمات ہیولانی سے روح عرفاء کی پاک وصاف ہوکر عالم تجرد میں ہمہ تن ذات مبداء کائنات ہی کی جانب مصروف رہتی ہے تو حضرت رب العزت سے ایک ایسی خاص اس کو مناسبت پیدا ہوجاتی ہے جس طرح پھول کی صحبت سے مٹی دماغ کو معطر کرنے کے قابل بن جاتی ہے، بقول سعدی۔

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ بودم

سید کا نسب اور خرقہ خلافت کا بیان

آپ کا نسب یہ ہے۔ سید محمد بن سید درویش ابو محمد شمس الدین بن سید کلان عالم ابوالخیر قطب الدین بن سید عبدالرحیم بن سید عبدالفتاح بن سید عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن سید عبدالمطلب بن سید عبدالحی بن سید عبدالجلیل بن سید عبدالرحیم ابوالقاسم بن سید ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق پاک بن محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی بن سید ابوصالح موسیٰ جنگی بن سید عبداللہ زاہدی بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد رومی بن سید داؤد بن سید ابوعمر موسیٰ الصابر الزاہد الرضا بن سید عبداللہ المورث بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن بن حضرت علی بن ابی طالبؓ۔

سید کا طریقہ قادریہ اور شجرہ اور خرقہ خلافت حضرت غوث پاک تک اپنے اسی خاندان

میں محدود رہا ہے۔

سید کے علوم دینیہ کی تعلیم کا بیان

سید نے ساتویں برس مدرسہ میں شیخ خلیل اللہ کے جو رؤساء بغداد سے تھا علم قرأت وحفظ قرآن مجید کا آغاز کیا اور اسے تھوڑے ہی زمانہ میں حاصل فرمایا، پھر علوم ادب، فقہ، اصول فقہ اور حدیث حضرت شیخ ابواسحاق سے جو کوفہ کے مشائخ کبار سے تھا پڑھنا شروع کیا، اور بعد حصول اس کے سماع حدیث کا حضرت شیخ ابوالمکارم جنیدی و شیخ عبداللہ سعدی و شیخ ابوالخیر عبدالرحیم و شیخ ابوناصر عبدالغفار نجفی سے فرمایا، اور علم تفسیر وتصوف کا حضرت شیخ ابوالفرح جنیدی سے علی وجہ الکمال تک پہنچایا۔ غرض تیئیس سال کی عمر میں سولہ برس کی کامل محنت سے جمیع علوم میں طاق ویگانہ آفاق ہوئے۔

سید کی عمر، حلیہ اور قوت جسمانی کا بیان

ولادت آپ کی (۸۱۰) آٹھ سودس اور وصال نوسوچالیس ہجری میں ہوا، عمر ایکسوتیس برس کی پائی، (۸۴۶) آٹھ سوچھیالیس میں مناکحت فرمائی، اس وقت سن شریف آپ کا چھتیس برس کا تھا۔ سید کا بدن قوی وجسیم تھا، پیشانی اونچی وفراخ، سینہ چوڑا، ابرو باریک وکشادہ، ناک بلند، چوڑی، اونگلیاں باریک، ہتھیلی و پاؤں دراز، آنکھ وکان متوسط، نہ بہت بڑا اور نہ چھوٹا، محاسن دراز تھی۔ کہتے ہیں کہ شیخوخت کے زمانہ میں کوئی علامت بوڑھاپے کی سوا سفیدی موئے ریش مبارک کے نمایاں نہ ہوئی، بلکہ کچھ بال سیاہ باقی رہتے ہی دنیا سے سدھارے اور ہمیشہ صحیح وتندرست رہے، کبھی بیمار نہ ہوئے، اور قوت جسمانی بھی آپ کی نہایت اعلیٰ درجہ تک تھی، ہندوستان کی سیاحت اور دیگر سفر میں کبھی تکان وماندگی نہیں ہوئی، کئی حج پاپیادہ کرنے کی نوبت آئی مگر وہی دم خم، مرنے کے عہد تک جو عمر طبعی سے زیادہ زمانہ گذر گیا تھا چہرۂ مبارک پر شباب سی رونق اور جوانی کی سی چمک ودمک تھی۔

سید کی لباس و پوشش کا بیان

لباس میں سید کا عمامہ سفید تھا اور بندش اس کی گول ہوتی، اور ٹوپی لاطیہ (جو سر سے سٹی ہوا و نچی نہ ہو) اور پیراہن اکثر سفید اور کبھی صوف سیاہ کا بھی ہوتا تھا، اور سبز و سیاہ کے سوا کوئی دوسرا رنگ پسند خاطر نہ تھا، اور سرخ اور دیگر رنگوں سے جن کی شرع میں کراہیت وارد ہے اجتناب کلی رہا کرتا۔ شیرازی کہتا ہے کہ سمرقند میں آپ سے ملنے کو ایک مرد سرخ مونڈیسا سر پر باندھے، گلابی انگرکھا پہنے ہوئے مٹکتا آیا، اور السلام علیکم کیا، سید نے جواب اس کا نہ دیا، مجھے اس کا سخت تعجب رہا، کیونکہ قدم بقدم سید کو سنت نبوی پر چلتے دیکھا کرتا اور نمونہ ٹھیک خلق عظیم کا پاتا تھا۔ پوچھ بیٹھا، سید نے فرمایا اس میں استعجاب کیا ہے، میں نے سنت رسول اللہ ﷺ کی ادا کی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے:

قال عبد اللّٰه بن عمر مر رجل وعليه ثوبان احمران فسلم على النبى ﷺ فلم يرد عليه رواه الترمذى وابو داؤد

ترجمہ: کہا عبداللہ ابن عمرؓ نے کہ ایک مرد گذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی پوشش کے دوسرے کپڑے تھے، اور اس نے صاحب سلامت کی، مگر نبی علیہ السلام نے جواب اس کا نہ دیا۔ روایت کی اس کی ترمذی اور ابوداؤد نے۔

سید کی عام سیرت اور عبادت کا بیان

سید دلی خواہش سے علماء صلحاء غرباء اور مساکین کے ساتھ ملتے اور انہیں کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ بیماروں کی عیادت، غم زدوں کی تعزیت کے واسطے ہر کس و ناکس کے یہاں ضرور جاتے، اور ان کی پرسش کرتے، اور تسلی دیتے، خدا کی قدرت سے آپ کے کلمات تسکین و تشفی

سے مریضوں کی علالت مبدل بہ صحت اور مصیبت زدوں اور دردمندوں کا دردوغم غلط ہو جاتا تھا۔ امراء جو آپ کے پاس آیا کرتے تو ان پر بھی التفات فرماتے، ان کے نذرو ہدایا کو بہ طیب خاطر قبول کرتے، مگر بقدر مایحتاج اپنے پاس رکھ کر غرباء و مساکین کو بانٹ دیتے تھے، لغو مذاق اور دل لگی وافعال عبث کو کسی کو کرتے ہوئے دیکھ کر باز رکھتے، اور پھر کبھی ایسے شخص کو اپنے پاس بار نہ دیتے۔

شیرازی کہتا ہے کہ کوئی حرکت ہوا وہوس اور نفسانیت سے آپ سے سرزد نہ ہوئی، نہ تو میرے دیکھنے میں اور نہ کسی سے سنا۔ نمازیں بہت پڑھا کرتے، راتوں کو بہت جاگتے، روزے پر روزے رکھتے، الغرض عبادت خالق جل وعلا کی رات ودن کرتے اور اس کے کرنے کی طاقت بشری سے زیادہ کوشش کرتے۔ دس برس کی عمر سے ہر سال حج کو جاتے۔ شیرازی لکھتا ہے کہ میں نے آٹھ بار سید کے ساتھ حج وزیارت کعبہ کی کی، پر حج وعمرہ میں کوئی مستحب بھی فرائض وسنن کے ماسوا سید سے چھوٹتی نہ دیکھا، نماز اور روزے کے ادا کرنے کے وقتوں میں بھی یہی حال تھا۔

علم وفضل وہنر کے اظہار کا تو ذرا جی میں خیال تک نہ تھا، عجز وہضم نفس مزاج اقدس میں حد درجہ تک تھا، سیاحت کے دنوں میں جب ملتان میں تھے تو اکثر علماء وفضلاء اس دیار کے اسرار وغوامض ونکات کو پوچھتے اور حل مشکلات کا چاہتے، آپ ان کا جواب مختصر الفاظ مطلب خیز میں دے دیتے اور پھر سکوت اختیار فرماتے۔ بعضوں نے آپ سے کہا، ہر چند ہم لوگ اپنا جواب تو پالیتے ہیں اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی مگر یہ نہیں کھلتا کہ حضرت اپنے مطالب کو وسیع تقریروں میں کیوں نہیں ادا کرتے۔ سید نے جواب دیا میاں نادانوں کا تھوڑا ہی بولنا بھلا ہے، جس میں نادانی بھی اس کی کمتر ہی کھلے، اس بات کو سنتے ہی اس جلسہ کے لوگوں میں خاص کر علماء اور عرفاء کو ایک جوش وخروش پیدا ہوا اور ایک بڑے اکابر نے کہا، سچ ہے، جو عالم ہوتا ہے اپنے کو نادان ہی کہتا ہے، اور کبھی مدحت اپنی اپنی زبان پر نہیں لاتا، حدیث میں آیا ہے: من مدح

بنفسه فهو حمار (جو اپنی صفت آپ کرتا ہے نرا گدھا ہے) دیکھو رسول اللہ ﷺ باوجود کہ سردار عالم ہر انبیاورسل سے افضل واکرم تھے، پر فرماتے تھے لا یقولن احدکم انی خیر من یونس بن متی (تم لوگوں کو ہر گز نہ چاہیے کہ مجھے یونس علیہ السلام سے بڑا کہو)۔

سید کے صغر سنی کے کرامات وحالات کا بیان

شیخ الشیوخ طلحہ کہتا ہے کہ جب میں نے حرمین شریفین میں تفسیر واحادیث وغیرہ علوم دینیہ کے اکتساب سے فراغت کی تو پھر تصوف کا شوق اور تزکیہ نفس کا ذوق دامن گیر حال ہوا اور وہ کشاں کشاں مجھے بغداد میں لایا، چونکہ اتباع سنت مجھ میں غالب تھی، اور بجز طریقہ قادریہ کے اور طرق صوفیہ میں اکثر شریعت سے مخالفت دیکھی جاتی تھی، لہذا بجز اسکے کوئی طریقہ دل کو نہ بھایا اور سوائے اولاد حضرت غوث پاک کے اور کسی کے ہاتھ بیعت کی ارادت دل میں نہ سمائی، پر یہ بھی خیال کیا کہ بیعت کے پیشتر پیر کو پرکھ لینا ضرور ہے۔ غرض یہ سوچ وچار کر کے دل میں ٹھان لیا کہ آج میں حضرت غوث پاک کی خانقاہ میں جاتا ہوں، ان کی اولاد میں سے جو مجھے **أنت منی** (تو مجھ سے ہے) کے ساتھ خطاب کرے گا اس کا ہو رہوں گا۔ حضرت غوث پاک کے جانشینوں میں اس وقت قدوۃ المحققین امیر سید درویش محمد قادری مسند ارشاد وہدایت پر متمکن تھے، جس دم ان کی مجلس میں پہنچا تو حضرات صوفیہ کبار و بڑے بڑے ابرار کو مودب بیٹھا ہوا پایا، اوران میں ایک دہ سالہ لڑکے کو بھی دیکھا، جب اس کی نگاہ مجھ پڑی تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے نزدیک پہنچا اور السلام علیکم کے بعد کہا **یا طلحہ أنت منی** میں نے اسی دم قدم چوما اور کہا رسول اللہ ﷺ کے اس حدیث کا مورد من **سعد سعد فی بطن أمہ** (جو نیک ہوتا ہے ماں ہی کے پیٹ سے نیک پیدا ہوتا ہے) میں نے تمہیں کو پایا جو اس کم سنی ہی کی حالت میں قلب کے انجلاء کی یہ کیفیت ہے، اب مجھے بیعت ارشاد سے سرفراز کیجئے۔ سید نے فرمایا میں ابھی شرعی بلوغ کو نہ پہنچا ہوں، اور تو جوان ہے، اقتداء نابالغوں کی جائز نہیں، بنائے قوی علی

الضعیف اور ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے، میں جواب سن کر ساکت ہو رہا، ادب نے اجازت مکالمہ کی نہ دی، مگر دل میں یہ خطرہ گذرا کہ مجھے نماز وغیرہ ارکان شرائع کی پیشوائی واقتداء تو آپ سے مطلوب نہیں، صرف تزکیہ نفس اور تعلیم روحانی مقصود ہے، اور اس امر خاص میں آپ فائق معلوم ہوتے ہیں، ہمارے مافی الضمیر " **أنت منی** "کو ابھی ظاہر کر چکے ہیں۔شاید وہ کلام قضیہ اتفاقیہ تو سرزد نہ ہوا، کہیں مجھے دھوکھا تو نہ ہوا، کیا معنی ہدایت اور رہنمائی من جانب اللہ ہے، وہ چاہے تو آج کے پیدا ہوئے بچوں سے کرائے، قرآن مجید میں موجود ہے "**یٰحیٰ خذ الکتٰب بقوۃ.اٰتیناہ الحکم صبیا وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیًّا** (اے یحییٰ اٹھالے کتاب زور سے۔۔اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکا میں۔۔۔اور سلام اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر)۔اور ایسا ہی دوسری جگہ ہے: **فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا قال انی عبد اللّٰہ آتنٰی الکتٰب وجعلنی نبیا.. وسلام علی یوم ولدت ویوم أموت ویوم ابعث حیا** (پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو بولے ہم کیوں کر بات کریں اس شخص سے جو گود میں ہے لڑکا، بولا میں بندہ ہوں اللہ کا، مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی کہا اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر) سید ہمارے اس وسواس پر براہ کشف آگاہ ہوئے اور مسکرا کر فرمایا اے طلحہ تم تو عالم ہو پھر کیوں ایسی وسواس دل میں لاتے ہو، کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، انبیاء رحم مادر ہی سے ایسے ہوتے ہیں، حضرات یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو بضرورت لڑکا پن ہی میں نبوت ملی تھی، ورنہ اکثر انبیاء چالیس برس میں جب نفس ناطقہ کو کمال ہوتا ہے رسالت نبوت سے ممتاز ہوئے ہیں، اور اس وقت تمہاری تعلیم کے واسطے دنیا میں ہزاروں لوگ موجود ہیں، ہر چند اولیاء امت نبوی میں بھی بعضوں کو خدا نے ایسا کیا ہو کہ بچپن ہی سے ان کا دل نور آلٰہی سے منور ہو جائے، پر بغیر اکتساب علم احادیث کے ایسے اہم کام میں پڑنا بدعت ہے۔

اس کلام کے سنتے ہی اور بھی عقیدت استوار ہوئی، بیعت کوتو سیدنا کی مرضی پر چھوڑا،مگر اوسی دن سے خدمت میں برابر حاضر رہنے لگا، جب سن شریف ستائیس برس کا ہوا ایک روز بلا کر مجھے بیعت سے سرفراز فرمایا اور کہا کردار بھی تیری[کذا]حسن ہے اس لئے آج سے تیرا نام بھی حسن ہوا۔شعر علی شیر شیرازی:

چودیدم شد حسن کو بود طلحہ　　　بہ پر سیدم ازان نیکو پیامش
بگفتا ہرکہ بندد بریکے دل　　　حسن گردد برآید جملہ کامش

منقبت

شیخ کریم الدین حسین مکی لکھتا ہے کہ بچپن ہی کے زمانہ سے سید گورستان میں بہت جایا کرتے تھے، ایک دن حسب معمول زیارت قبور میں مشغول ہوئے تو کبھی روتے اور کبھی خوش ہوتے تھے، خادم جو آپ کے ساتھ تھا، اس نے متعجب ہوکر جب اس کا[سبب] پوچھا، سید نے فرمایا، بعض اہل مزار کو بشاشت وراحت میں دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور بعض کو معذب پاتا ہوں تو کڑھتا ہوں، اس نے کہا، میاں خیر ہے، عذاب اور ثواب قیامت کے بعد دوزخ اور بہشت میں ہوگا نہ برزخ میں، سید نے کہا یہ تو صحیح ہے، مگر کیا تو نے نہیں سنا جو پیغمبر خدا نے فرمایا ہے، **القبر روضة من رياض الجنة وحفرة من حفرات النيران**.(قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور دوزخ کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہے)۔ یہ جواب باصواب سن کر وہ خادم بہت ہی خیران ہوا، دل میں کہنے لگا، اس نے اس کم سنی میں حدیثیں کیوں کر یاد کرلیں، اور ان کے مطالب پر کس طرح عبور ہوگیا، اور کشف قبور کیوں کر حاصل کیا۔ سید اس کے خطرات دل سے آگاہ ہوئے اور فرمایا، تو تعجب کیوں کرتا ہے، **ذلک فضل الله يوتيه من يشاء**. (یہ کچھ خدا ہی کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔)

حسین مکی کہتا ہے کہ ایک بوڑھے سے مروی ہے کہ ایک برس افلاس اور غربت کے سبب

سے میں فقر وفاقہ کرتا تھا اور کوئی سامان آذوقہ کا نہ تھا، ایک دن میرے گھر سید پہنچے، جب ان کی عمر سات برس کی تھی، مجھ سے پوچھا تمہاری ایسی حالت کیوں ہوئی، میں نے اپنی تہی دستی بیان کی، سید نے ایک مٹی کا ڈھیلا زمین سے اٹھایا اور اس پر فاتحہ دم کر کے مجھے دیا، دیکھا تو خالص سونا تھا، میں نے اسے پڑوسیوں کو بیچنے کی غرض سے دکھایا انہوں نے مجھ سے کہا معلوم ہوتا ہے تو نے کہیں دفینہ پالیا، بہتر ہے مجھے بھی شریک کر، ورنہ حاکم سے جا کہیں گے، میں سخت گھبرایا ہوا تھا، اسی دم سید پہنچے اور فرمایا کہ وہ سونا نہیں ہے تم زمین میں اسے کیوں نہیں پھینک دیتے، میں نے فوراً زمین پر پھینک دیا، اسی دم مٹی ہو گیا، یہ دیکھ کر وہ لوگ پشیمان ہو کر اپنے اپنے گھر واپس گئے، تب سید نے فرمایا۔" **خذھا ولا تخف من احد فاعادھا اللّٰہ سیرتھا الاولی** "(اسے اٹھالے اور کسی سے نہ ڈر اللہ نے اسے پہلا ہی سا بنا دیا) جب میں نے اس کو اٹھایا تو ویسا ہی سونا تھا، میں نے کہا اس طرح کیوں نہ کہا: **خذھا ولا تخف من أحد سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ** (اسے اٹھالے اور کسی سے نہ ڈر، میں نے اس کو پہلا ہی سا بنا دیا) یہ سنتے ہی آپ غضب میں آئے اور فرمایا میں کچھ فرعون نہیں ہوں جو **انا ربکم الاعلیٰ** . **وسنعید ھا** کہوں، اور کیا تو نے اپنے گھر کو وادی مقدس ٹھہرایا اور خود موسیٰ بن گیا، یہ کیا خبط نے گھیرا، میں نے قدمبوسی کر کے معذرت کی، اور کہا البتہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا، کیونکہ انتساب اعادہ کا الی غیر اللہ کفر ہے، آپ نے فرمایا توبہ کر، اور آج کی اس حرکت سے تیری مجھے یہ نصیحت ہوئی کہ پھر نادانوں کے حال پر رحم کر کے کسی کرامت کا اظہار نہ کروں گا، ایسے پر التفات کرنا دانستہ خطا مول لینا ہے۔

منقبت

حسین مکی لکھتا ہے کہ بغداد میں ایک گروہ سوداگروں کا تجارت کی غرض سے مقیم تھا، مذہب ان کا سورج پرست تھا، ایک دن چھٹ پن میں سید کا گذر ان کے پاس ہوا اور آپ انہیں

سورج پرستی کی حالت میں دیکھ کر کہنے لگے، تعجب ہے تم لوگ سمجھ دار ہو کر آفتاب کی پوجا کرتے ہو، اس میں تم نے الوہیت کی کون سی بات پائی ہے سوائے اس کے کہ چمک اور گرمی اس میں پائی جاتی ہے، اور کوئی خاصیت موثرہ بکل الوجوہ دنیا میں اس کی نہیں دیکھی جاتی، اور اس ضیا (جوت) اور حرارت میں بھی ادنی سبب سے زوال آجاتا ہے، گرہن لگنے، ابر میں گھر جانے، قطبین پر ہمیشہ اور سرما میں ہر جگہ اپنی گرمی پہنچانے سے مجبور ہے، دن رات مورو انقلاب کا بنا رہتا ہے، ایسی حالتوں کو دیکھ کر عقل سلیم اس کو بھی خدا نہیں مانے گی، بلکہ اس کے اسپ تیز رفتار کی باگ کسی دوسرے ہی شہسوار کے ہاتھ میں ہونا قبول کرے گی۔ وے لوگ اس تقریر سے بہت ہی متاثر ہوئے اور دل میں خدائے ذوالجلال کی توحید کی راسخ العقیدت [کذا] ہوئی، مگر خیال کیا کہ ایک بچے کی بات کو اس وقت مان کر آبائی دین کو چھوڑنا خلاف ---[؟] ہے لیکن رات کو جو سوئے تو وہی تقریر کا سماں دھیان میں بندھا رہا، حالات محشر اور عذاب قبر کے آثار اپنے پر ہوتا ہوا پایا، اس لئے صبح کو وہ سب کے سب جو پچاس آدمی سے کم نہ تھے سید کے پاس آئے، آپ نے انہیں فرمایا کہ تم فلاں عالم کے ہاتھ پر توبہ کرو اور تلقین ایمان کی حاصل کرو۔

منقبت

ایک دن سید کے ہمسایہ کے لڑکے آپس میں ایک دیوار پر چڑھ کر کھیل رہے تھے، اتفاقاً آپ بھی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کو بھی اپنا ہمجولی خیال کر کے اپنے ساتھ اوپر بلایا، آپ نے دیوار پر چڑھنے سے انکار کیا، مگر اسی ادب کے پیرایہ میں اپنے تئیں اسی زیرِ دیوار رہنے سے انہیں خورسند فرمایا، ایک شخص اجنبی وہاں ان کے کھیل کا تماشا دیکھ رہا تھا سید کے دیوار پر نہ چڑھنے کو ان کے اس لعب میں پستی و دناءت خیال کر کے مزاحاً کہا میاں لڑکے تم بھی اوپر ہی کیوں نہیں چڑھ کر کھیلتے، اس گڑھے میں بیٹھے رہنے سے کیا لطف اور حظ پاتے ہو، آخر تمہیں لڑکے حقیر خیال کرتے ہوں گے [مگر] سید نے فرمایا تعجب ہے جو تم ایسا کہتے ہو، کیا نہیں

جانتے کہ ہر شے طالب جہت مرکز ہے، چاہے لاکھ اونچی ہو جائے، پر زمین اسے آخر اپنے ساتھ خاک میں ملا ہی چھوڑے گی، آسمان بھی زمین ہی پر سرنگوں ہے، سورج اور چاند کو دن رات دیکھتے ہو کہ دونوں وقت صبح اور شام زمین کے قدمبوس ہوتے اور پستی میں اس سے کہیں پرے ہو جاتے ہیں۔ یہ تقریر سن کر اپنے جی میں کہنے لگا لڑکا کاہے کو، اچھا خاصا تجربہ کار فلسفی اور بڑا ہی بحاث منطقی ہے، مجھے باتوں ہی باتوں میں آڑے ہاتھوں لے لیا، مجھے بھی اب اس کے معقول ہی کرنے کی فکر چاہئے، یہ خیال کر کے پھر سید سے مخاطب ہوا اور بولا بھلا یہی جواب تم نے اپنے ہمجولی پڑوسی کو پہلے ہی کیوں نہ دیا جو سرے سے میں سن لیتا، سید نے کہا تم نہیں جانتے، **تکلم الناس علیٰ قدر عقولھم** (بولو لوگوں سے ان کی سمجھ کی موافق) ان باتوں کو وہ کیا سمجھتے، تب وہ بولا ایسی اور دانش رکھ کر لڑکوں کے ساتھ کیوں کھیلتے ہو، سید نے فرمایا کہ ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ موانست اسی خیال سے رکھتا ہوں کہ ان سے کوئی نئی بات شاید معلوم ہو جائے۔

نگو بنداز باز بچہ حرفے کز و پندے نگیرد صاحب ہوش

سید کی زبان دانی و کلام و تقریر کا بیان

سید کا کلام پر مضمون مختصر اور مطلب خیز ہوتا تھا اور وعظ اور خطابت میں عمدہ دستگاہ تھی، مکہ معظّمہ میں آٹھ سال تک برابر پند و نصائح کرتے اور دعوت حق کی فرماتے رہے، کہتے ہیں کہ وہاں صبح سے آدھی رات تک سوائے درس و وعظ کے کچھ بھی زبان پر نہ لاتے تھے، لوگ آپ کی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے، عربی و فارسی تو آپ کی آبائی اور مادری زبان تھی، کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر زبان میں پوری دستگاہ تھی، سیاحت کے زمانہ میں جن قریے اور دیہات میں گذر ہوتا تھا وہاں ہی کی بولی میں گفتگو کرتے تھے، اور لطف یہ کہ صرف معمولی کاروائی کے بول چال کی قدرت نہ تھی بلکہ روزمرہ صاف صاف اچھے لہجہ میں ادا کرنے کی کامل مہارت تھی، کیونکہ مشائخ

ہندوستان اور زمینداران وغیرہ کے ساتھ ہندی ہی زبان میں مناظرہ نہایت خوش اسلوبی سے کیا ہے۔

شیرازی کہتا ہے کہ ساتھیوں نے ایک دن پوچھا، ہر چند ہم لوگ ہندی زبان سیکھنے اور بولنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، پر آپ سی فصیح و بلیغ تقریر اہل زبان کی سی نہیں ہوتی، آخر آپ بھی تو ہماری طرح غیر ملک کے رہنے والے ہیں۔ سید نے فرمایا یارو! اس میں تم کو ہمارا رشک نہ چاہیے، یہ خاصہ خاصوں ہی کا ہے جنہیں میراث **علم آدم الاسماء کلھا** (آدم کو کل اسموں کو سکھایا) کی پہنچی ہے، بے تکلف ہر زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ حکیم ابونصر فارانی وغیرہ حکماء کی زبان دانی جو تواریخوں میں مرقوم ہے وہ محض اکتساب علوم کے سبب سے ہوتے تھے، اور آپ جیسے بزرگوں کا جن کو اکتساب کا اتفاق نہیں ہوتا ہر زبان میں مکالمہ کرنا ثابت ہو جاوے تو خالی از کرمات نہیں۔

سید کے مجاہدہ اور نفس کشی کا بیان

سید کو بچپن ہی سے فقر و ریاضت کی کیفیت طاری تھی، اور جوں جوں سن نے ترقی پائی تجرد و درویشی بڑھتی گئی۔ شیرازی کہتا ہے، ہر چند عالم غربت میں کبھی عسرت و تہی دستی کا ہونا امر لازمی ہے پر اس حالت میں بھی جو واقع ہو جاتی تو کبھی آپ کو میں نے شاکی نہ پایا، ہمیشہ راضی برضا قانع بقضا ہی دیکھا، فاقہ پر فاقہ، روزے پر روزہ رکھتے اور برابر ذکر باری اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ ٹھیک نمونہ حدیث سرور عالم ﷺ **انی لست کاحدکم أبیت عند ربی وھو یطعمنی ویسقینی** (تحقیق میں تم لوگوں میں سے ایک کی طرح بھی نہیں ہوں، شب گذراتا ہوں اپنے رب کے پاس، اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے) کے ہو گئے تھے، اور خصائص ملائکہ کے ساتھ مخصوص۔

منقبت

شیخ الشیوخ حسن کہتا ہے کہ سید اکتساب علوم کے بعد پدر بزرگوار کے اشارہ سے قرن کے جنگل میں دو برس تک تذکیہ قلب اور نفس کشی کے واسطے مقیم رہے، میں بھی ساتھ تھا، برابر صائم رہتے اور جنگل کے درختوں کے ایک آدھ پتوں سے روزے افطار کر لیتے، کسی اشیاء ماکولات کے کھانے کی اس اثناء میں نوبت نہ آتی، اور اس حالت میں ضعف اور نحافت کچھ بھی نہ تھی، ہمیشہ نوافل وتلاوت قرآن واذکار باری ہی میں مشغول رہتے، راتوں کو کبھی نہ سوتے، بیدار ہی رہتے، حتی کہ پاؤں بھی آرام کے لئے سیدھا نہ کرتے۔ اس جنگل میں ایک بار چند ستم گر کفار آئے اور ہمیں اور سید کو گرفتار کر کے غلام بنانے کے واسطے لے گئے، اس وقت میں نے ان ظالموں کو بددعا دینے کو چاہا اور کچھ برا بھلا زبان سے نکالا۔ سید نے کہا اے حسن! تو نفس کشی کے واسطے ہمارے ساتھ ہوا ہے نہ موافقت کے واسطے، ارے میاں یہ تو ادنیٰ آزمائش ہے، تم اتنے ہی سے صدمہ میں گھبرا اٹھے۔ جب وہ ستم گر ہم لوگوں کو اپنے گھر لے گئے تو لکڑی کاٹنے اور اس کے بوجھے ڈھونے کے کام پر لگایا اور چند ملازموں کو اپنے ہمارے حال پر نگراں رکھا، ہم دونوں کی طرح اور بھی چند مظلوم اسی کام میں اس ظالم کے پنجۂ ظلم میں گرفتار تھے۔ رات دن لکڑی کاٹ کر بوجھے باندھ کر سر پر لاد کر لاتے اور قوت لایموت پاتے۔ سید اس دردناک حالت میں بھی بے یاد مولیٰ اور عبادت کے نہ رہتے، راہ چلتے اور کھڑے ہوتے، برابر قرآن شریف ہی پڑھتے رہتے تھے۔

جب مخلصی کا زمانہ قریب آیا تو خدا نے یہ سامان دکھایا کہ ایک دن حسب معمول اور بار برداروں کے ساتھ بوجھے لیے ہوئے آرہے تھے، یکایک جنگل کی راہ سے ایک شیر ببر آتا ہوا نظر آیا، سب لکڑہارے دھر ادھر اوٹ میں جان بچانے کے واسطے چھپ رہے مگر سید آگے اس کے جاکر حدی خواں ہوئے اور زبان مبارک سے فرمایا: **اقتلوا المؤذیات قبل الایذاء ولکن**

لااطلب النصر منکم الا باللہ. (موذیوں کوایذادینے کے پہلے ہی مارڈالومگر میں تم سے مدد نہیں چاہتا بجز خدا کے) وے نادان بارکش یہ سمجھ کر ہمیں کو کہتا ہے بولے، کس کا زہرہ ہے جو شیر ببر سے بھڑے، اور سو تو، تم پہلے مارنے کو کہتے ہو اور پھر یہ بھی کہتے ہو کہ میں تم سے مدد بھی نہیں چاہتا، تمہاری تقریر بھی تو ماشاء اللہ عجوبہ روزگار ہے، سید نے جواب دیا، میں تم سے خطاب نہیں کرتا، فرشتے جو نگہبان ہمارے تمہارے معین ہیں انہوں نے مجھ سے یہ فتویٰ پوچھا کہ شیر تو تم لوگوں پر آ پہنچا، اب کیا کہتے ہو، میں نے انہیں وہی جواب دیا جسے تم اپنی نسبت خیال کرتے ہو، ایک نے ان میں سے کہا یہ تو تم انوکھی بات بے پر کی اڑا رہے ہو، کچھ دلیل بھی رکھتے ہو، سید نے کہا تھوڑی دور آگے جا کے دیکھو تو سہی، شیر کا کیا حال ہے، جب لوگ اس کے پاس گئے تو مردہ پایا، تب تو وے جاہل معتقد ہوئے اور عذر خواہ ہوئے، یہ خبر [جیسے؟؟] ہی ان ستم گاروں تک پہنچی تو انہوں نے نہایت ہی معذرت کے ساتھ معافی تقصیر چاہی اور بصد اعزار رخصت فرمایا۔

سید کی دعوت حق کی ماموری کا بیان

شیرازی لکھتا ہے کہ سید فرماتے تھے کہ جب عمر میری ستائیس برس کی ہوئی تو اکثر میدانوں اور تنہائی میں سنتا تھا کہ کوئی مجھے پکار کر کہتا ہے تو دعوت حق کی کیوں نہیں کرتا، جب نگاہ کرتا تو کسی کو نہ دیکھتا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد والد بزرگوار کے ارشاد سے دعوت حق کی جانب مامور ہوا، اور بیسویں برس میں مجھے والد بزرگوار نے فرمایا کہ اپنے اوقات کو کبھی ضائع نہ کرنا، ان دنوں روز میں تحصیل علوم کی کیا کرو، راتوں کو اذکار وعبادت الٰہی میں رہو، اور بغداد کے اولیاء کے مزارات کی زیارت کرو، میں نے ایسا ہی کیا، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور جدی سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی ارواح طیبہ سے بہت کچھ فائدہ مند ہوا اور انہیں حضرات کے ارواح پاک سے نجف اشرف کی سیاحت کا حکم ملا تب میں نے قبلہ گاہی سے اجازت چاہی اور وہاں

جا کر چھ مہینے تک مقیم رہا اورروح مرتضوی سے بہت ہی فورز المرم ہوا ،اور نجف اشرف کے بزرگوں سے علم احادیث اور مناظرہ بھی پڑھتا گیا، پھر وہاں سے کربلائے معلیٰ پہنچا اور ارواح شہدائے کربلا خصوصاً امام حسین علیہ السلام سے بہرہ مند ہوا۔

جب زمانہ حج کا پہنچا تو اس کے ارکان مکہ معظّمہ میں جا کر ادا کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزار مقدس کی زیارت کر کے بیت المقدس چلا اور وہاں سترہ روز رہا، انبیائے کرام کے مزارات کی زیارت سے فائدہ مند ہوا اور وہاں کے عالموں اور صوفیوں سے بھی ملاقات کی، اوران سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ پھر وہاں سے کوہ طور کی سیاحت فرمائی اور وہاں بھی چندے اقامت کی پھر بغداد میں سیر وسفر کر کے پہنچا، جب مدر بزرگوار سید درویش محمد قادری نے دیکھا کہ اس نے علوم سلوک کی پوری منزل طے کی اور فضل الٰہی سے چل نکلا تو فرمایا کہ اے عزیز! ابھی تو تم نے کچھ بھی نہ کیا، اگر سالک ہزار سال اس راہ میں تمہاری طرح چلے گا تو بھی منازل اس کے طے نہ کرے گا، گرچہ قرب الٰہی ہی کیوں نہ حاصل کرے، بھلا "**ماعرفناک حق معرفتک**" جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو تم کیا حقیقت رکھتے ہو۔ سید نے کہا جو کچھ ارشاد ہوگا تعمیل کروں گا، اس وقت تک تو سوائے ارشاد کے کبھی خلاف نہ ہوا، حضرت ہی کے حکم سے جنگلوں میں چار سال تک رہا، دو برس تک کہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں جا کر اعتکاف کرو گرچہ صدائے ادع الخلق کی ہر طرف سے گوش زد ہوگی پر اس ندائے غیبی کی جانب التفات نہ کرنا مگر جب خاص صورت مصطفوی تم پر ظاہر ہو کر متوجہ ہو تو فوراً قدم بوس ہونا اور حسب ہدایت عامل ہونا، اس مژدہ دل افزا[کو] سنتے ہی سید مدینے میں گئے اور چھ مہینے تک مسجد نبوی میں معتکف رہے، اور جیسا والد بزرگوار سے استبشار پایا تھا ویسا ہی روحانیت پیغمبر خدا کے مستفید ہوئے۔

منقبت

سید آٹھ سو ستئیس ہجری میں دعوت حق کی جانب مامور ہوئے، فرماتے تھے کہ سب سے پہلے شیخ الشیوخ ظلہ الملقب بحسن کو میں نے روم میں بیعت صوفیت کی دی بعد اس کے شیخ المشائخ محمد مجذوب کو، اور پہلے تو اسے صرف ذکر و شغل سکھایا تھا جب میں دعوت حق کے واسطے ماموہوا تو پھر پورا خرقہ صوفیت کا پہنا دیا، یعنی اس راز سے آگاہ کر دیا جو سینہ بہ سینہ سرور کائنات سے عارفین تک پہنچتی ہے، کیونکہ بیعت صوفیہ سے غرض یہی ہے۔ شیخ الشیوخ حسن سے مروی ہے کہ سید کی دعوت حق کی ماموری کے دن سے اتنے لوگوں کو بیعت کرتے روزانہ دیکھتے تھے جو شمار میں نہ آتے تھے۔

منقبت

شیخ الشیوخ حسن اور ابوالخیر عبداللہ (جو مدینہ طیبہ میں روضۂ نبی ﷺ کے خادمان میں سے تھا اور سید ہی کے ہاتھوں پر بیعت کیا) کہتے ہیں کہ ایک دن مدینہ منورہ میں ہم نے سید کی عجیب حالت دیکھی، طبیعت نہایت جوش وخروش وجذب میں تھی، منھ سے کف کا دریا رواں تھا، ناگاہ اس وقت شیخ محمد بھی آپہنچا اور بڑی جرأت سے نزدیک جا کر سید کے منھ کا کف جو زمین پر گر رہا تھا کچھ اٹھا کر چاٹ لیا، اس کا چاٹنا تھا اور کیفیت اور حالت کا طاری ہونا تھا، پھر تو اس عالم حال میں اس کا بھی وہی حال تھا، علاوہ اس کے عالم وجد میں یہ مقال تھا۔

انا نور ونور الله نوری   فلالی حزن لا وقتی زوال

جوں ہی یہ شعر شیخ کی زبان سے نکلا سید کو نہایت ہی غیظ ہوا، حالت سلوک میں آکر فرمایا **یا شیخ مجذوب اسکت.** اس دن سے محمد بنام شیخ مجذوب مشہور ہوا اور اطاعت سے پیر کے لفظ اسکت کی یہاں تک رعایت فرمائی کہ تاحیات بھول کر بھی گفتگو کے لئے کبھی لب تک نہ

ہلایا، چند انوکھی بات دیکھ کر دنیا کے ہنسوڑ آدمی جو کبھی شیخ سے ملتے تو بولنے کے واسطے بہت تنگ کرتے اور انواع طرح کے حیلے نکالتے، اور بعض بے رحم موقع پا کر کھانا پانی تک بند کر دیتے پر شیخ کی زبان پر مہر سکوت کی ایسی چسپاں تھی جو کبھی نہ کھلی، سچ ہے **في اللسان بلاء الانسان** (انسان کی بلا زبان ہی میں ہے) شیخ مجذوب نے اس دن سے سید کا کبھی ساتھ نہ چھوڑا، حضر وسفر اور مجالس وعظ و پند میں ہمہ دم موجود رہتا، کسی نے کچھ دے دیا تو کھا لیا نہیں تو فاقہ کیا، اور کبھی کسی سے حوائج بشری کے واسطے اشارۃً بھی سوال نہ کیا، سچ ہے: **السوال ذل وان کان من الأبوین** (مانگنا محض رسوائی ہے گرچہ ماں باپ ہی سے کیوں نہ ہو) الغرض شیخ مجذوب بظاہر تو صم بکم معلوم ہوتا تھا پر حقیقت میں اس شعر کے مصداق تھا۔

مى بو محوبہ نور معبود گم کردہ دروتمام مقصود

جب ایام حج کا پہنچا تو سید مکہ معظّمہ میں حج کے واسطے آئے، ارکان حج وعمرہ کے ادا کرنے کے بعد آٹھ برس تک مکہ معظّمہ میں رہے، وہاں آپ سے خواص وعوام برابر مرید ہوتے اور اسرار حق سے آگاہ ہوتے۔ شیخ کریم الدین حسین مکی جو علامہ روزگار و خدام کعبہ پروردگار سے تھا وہ بھی سلک مریدان میں منسلک ہوا اور گھر بار چھوڑ چھاڑ کر سید ہی کے ساتھ ہو لیا، اور آپ کی عنایات اور توجہ سے عارف باللہ بھی ہو گیا۔

منقبت

شیرازی اپنی بیعت کا حال اس طرح لکھتا ہے کہ مجھے قرآن مجید کی اس آیت کے پڑھنے سے **فاما من طغیٰ و آثر الحیاة الدنیا فان الجحیم هی الماوی** یکا یک ایسا خوف واندیشہ پیدا ہوا، جو راتوں کو نہ سوتا اور دن کو برابر روزے پر روزہ رکھتا، اور بفحوائے حدیث **اقتلوا انفسکم بسیوف المجاهدات والمخالفات** سدا نفس کشی ہی میں بسر کرتا اور برابر مجالس علماء صلحاء میں رہتا اور ہر ایک سے سبب مغفرت وباعث نجات وتذکیہ نفس کو پوچھتا، پر کسی سے

کشود کار اپنا نہ ہوا اور یوں تو جیسے مجھے خدا کی ہیبت وجلال کا خوف دامن گیر ہوا اور وہ مجھ پر ایسا مستولی ہوا کہ پھر کبھی معصیت وگناہ کی جانب خیال بھی نہیں گذرتا تھا، جس کے باعث بفحوائے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماوی کچھ کچھ دل میں بشاشت بھی پاتا تھا، پر قلب کو ویسا ہی پاتا جیسا پیشتر تھا، اس لئے سوچا کہ بقول الرفیق الطریق کے پہلے کسی مرشد کا ٹھہرالینا ضرور ہے ورنہ ان دیکھی راہ میں ٹھوکریں کھانے کا پورا اندیشہ ہے، اسی فکر میں رات ودن غلطاں پیچاں رہتا تھا، جب تردد وتلاش نے جواب دیا تو ایک شب خدا ہی کے درگاہ میں رورو کر التجا کیا، یاربی اخبرنی من احوالی برابر پڑھتا رہا، اسی شب کو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک جوان روم سے آتا ہے اور مجھے کہتا ہے اے پیارے تونے جو قدم فقیری میں رکھا اور ہادی کی تلاش میں روتا اور گبھراتا ہے تو غم نہ کھا میں تیرا غمگسار، رہنما، مددگار موجود ہوں، میں نے اس وقت نام آپ کا پوچھا فرمایا، انا محمد ن البغدادی الجیلانی۔ پھر میں نے ہاتھ پر اس کے توبہ کی، اس مرد نے اپنا خرقہ جو پہنے ہوا تھا اتار کر میرے بدن پر اوڑھا دیا اور قصد روانگی کا کیا، میں نے کہا سیدنا میں بھی آپ ہی کے ساتھ آج سے رہوں گا، یہ کہ کر جوں ہی چلنے کو کھڑا ہوا تو آنکھ کھل گئی۔

جب میں نیند سے بیدار ہوا تو والد ماجد سے اپنے رخصت لے کر حج کے واسطے مکہ معظّمہ روانہ ہوا، وہاں جو پہنچا تو ایک دن ایک مجلس میں گذر ہوا، جہاں یہ دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ جن کو خواب میں میں نے دیکھا تھا مجلس میں بیٹھے ہوئے تلقین وارشاد فرما رہے ہیں، جوں ہی ان کی آنکھ مجھ سے لڑی تو پہلے ہی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرما کر ارشاد کیا شیرازی تو اپنے وعدہ کی ایفاء کے واسطے آہی پہنچا، میں نے جواب سلام کا دیا اور قدمبوس ہوا، اس وقت آپ نے مجھے بیعت ارشاد سے فوز المرام کیا اور خرقہ اپنا جس طرح خواب میں اوڑھایا تھا اس وقت بھی عطا کیا، اور فرمایا اے شیرازی تجھے ظاہری وباطنی کا دونوں خرقہ عطا کیا۔ اس کلام کو سن کر شیخ حسین مکی نے مجھ سے کیفیت پوچھی، میں نے اپنی ساری حالت خواب کی دوہرائی، شیخ حسین نے سید سے

عرض کی یا سیدنا شیرازی اتنی دوری میں نزدیک رہا اور میں قریب رہ کر ہنوز منزل بعید میں پڑا ہوں۔

زہے سعادت شیراز تا کہ بررہ راست　　ترا رساندامامے کہ اونظیر نداشت
کہ یعنی تو برسیدے زمکہ چوں سلمان　　کہ اہل مکہ نصیبے ازاں سر برنداشت

سید نے فرمایا **لاتقنطوا من رحمة الله** ،خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے،تم بھی کبھی مراد کو پہنچ جاوگے۔

سید کے ہندوستان میں آنے کا سبب

۸۰۱ھ آٹھ سوایک ہجری مطابق ۱۳۹۸ء میں جب امیر تیمور لنگ دہلی کو برباد اور تغلقیہ سلطنت کا تخت تاراج کر کے چلا گیا تو پھر لودیوں نے دہلی اور اس کے اطراف میں سلطنت جمانا شروع کیا،مگر تمامی ہندوستان کے نواح میں طوائف الملو کی چھا گئی تھی،اور صوبۂ بہار میں تو بہلول لودی کے عہد تک اور بھی آفت تھی ،ہر ایک زمیندار اپنے اپنے علاقہ کا بادشاہ خودمختار ہورہا تھا،خودرائی سے نظم ونسق ممالک کا کرتا تھا،انہیں دنوں میں پرگنہ انچھا ضلع گیا مضاف صوبۂ بہار میں ایک متعصب ہندوجیون نامی قوم کا کولہ بڑاہی جاہ وحشم کا زمیندار ہتا تھا،سلطنت کے ایرپھیر سے اپنے قرب وجوار کا مطلق العنان حاکم بن بیٹھا،غریب رعایا پر جور وتعدی کرتا،اس کے علاقہ میں جو مسلمان سکونت رکھتے ان پر تو انواع طرح کے ظلم ستیزہ روا رکھتا،نماز وغیرہ ارکان مذہبی کے علانیہ ادا کرنے سے سخت مجبور کر رکھا تھا،انہیں مظلومین میں ایک شخص شیخ علی نے (جو مرد صالح ذی علم عارف باللہ اور خوش تقریر بھی تھا) نہایت الحاح وزاری سے اس ظالم راجہ سے اجازت نماز وغیرہ کی برملا ادا کرنے کی چاہی اور کمال عمدگی سے اسلام کی خوبی اور بتوں کی توہین اور بت پرستی کی خرابی بھی بیان فرمائی،مگر اس ظالم نے اس غریب کی ایک نہ سنی بلکہ اور بھی برہم ہوا،اس کے بھائی بند،اہل وعیال کو مار ڈالا اور اسے بھی ہلاک کرنا چاہا،پروہ اپنی چالاکی سے پنجۂ ظلم

سے اس کے نکل بھاگا اور مسلمان حاکموں کے یہاں جا کر داد خواہ ہوا، مگر وہاں تو انقلاب سلطنت کے باعث سیاست مدن کا انتظام درہم برہم ہو رہا تھا، اس کی فریاد کون سن سکتا تھا، لاچار اس مظلوم نے مدینہ طیبہ میں ہجرت کی، اور خاص دربار حضرت سرور کائنات ﷺ میں جا کر مستغیث ہوا، اور وہاں ایک رات خواب میں حضرت خیر البشر کی زیارت سے مشرف ہوا اور یہ بشارت پائی کہ تو بغداد (یا جیال) میں جا، سید محمد بن سید درویش قادری کو لے کر ہندوستان روانہ ہو، وہ ستم گر انہیں کے ہاتھوں اپنی کرتوتوں کی سزا پائے گا۔ کہتے ہیں کہ اسی رات کو ایسا ہی یہ دونوں بزرگوار حضرت سید درویش و سید محمد بغداد میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد سے خواب میں فوز المرام ہوئے، شیخ علی حب اس خواب کی بشارت پا کر مدینہ طیبہ سے بغداد میں آیا تو وہاں ان دونوں حضرات باپ بیٹوں کو اپنا منتظر پایا۔

سید کا شیخ علی ہندی کے ساتھ روانہ ہونا

شیرازی لکھتا ہے کہ جب سید کو مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے آٹھ برس گذر گئے تو باپ کی قدمبوسی کا شوق ہوا اس لئے بغداد میں آئے۔ مگر ان دنوں آپ کے والد بزرگوار جیال میں تشریف فرما تھے اس واسطے سید بھی وہیں گئے اور چھ مہینے تک باپ بیٹے برابر ساتھ رہے۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد دونوں بزرگوار باہم بیٹھے ہوئے تھے، پر چہرہ پر ملال و غم کے آثار نمایاں تھے، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے، میں نے سبب افسردگی کا پوچھا تب حضرت سید درویش نے فرمایا کہ میرے نور نظر سید محمد کو حضرت خیر البشر ﷺ سے ہندوستان جانے کی بشارت ہوئی ہے اور وہیں ان کے قیام و سکونت کی بھی صلاح ٹھہری ہے، ایک مظلوم کی فریاد رسی انہیں کے قدموں کی بدولت ہوگی، اور ہزاروں بندگان خدا کو ان کے ہاتھوں پر توبہ و ہدایت نصیب ہوگی، انسان کتنا ہی اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہو، اور صفات ملائکہ سے مماثل ہو گیا ہو مگر تو بھی تعلق بشریت کا اس سے چھوٹ نہیں سکتا، اسی خاصیت کے مقتضا سے مجھے اس وقت حزن و اندوہ ہے، دیکھو کوئی

دم میں بیچارہ آفت کا مارا ہندی آ پہنچتا ہے، نام اس کا شیخ علی ہے، عالم یگانہ فاضل زمانہ ہے، مگر راجہ جیون کولہ کا ستم رسیدہ ہے۔ حضرت درویش یہ فرما ہی رہے تھے کہ ایک مرد وجیہ بلند قد آ ہی پہنچا، اور صاحب سلامت کی، اور جو کچھ میں نے پہلے اس کی مظلومیت سنی تھی بے کم وکاست آ کر اس نے سنائی، حضرت سید درویش نے حسب ارشاد و خواجہ عالم ﷺ کے اپنے بڑے فرزند سیدنا کو شیخ علی ہندی کے ساتھ ہندوستان روانہ فرمایا۔

منقبت

شیخ حسن کہتا ہے کہ میں سیدنا کے دس برس کی عمر سے برابران کے ساتھ رہا کرتا تھا مگر کبھی مغموم ومحزون نہ پایا، پر جس دن شیخ علی ہندی جیال میں پہنچا تو اس دن قیافہ سے از حد غم والم معلوم ہوتا تھا مگر جب ہندوستان روانہ ہوئے تو نہایت بشاش وخوش وخرم پایا۔ میں نے سبب اس کا سید سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ابتداء مجھے بہ تقاضائے بشری وطن مالوفہ کی علاحدگی اور باپ کی جدائی سے حزن وملال تھا، مگر جب عزم مصمم چلنے ہی کا ہوگیا اور روانہ ہوا تو اس امر کے فخر سے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہندوستان جانے کا ہوا ہے پھولے نہ سماتا ہوں۔

منقبت

چلنے کے وقت شیخ حسن نے حضرت سید درویش سے شوخی سے زادراہ طلب کیا، حضرت نے کہا فقراء کے واسطے اس سے بہتر زادراہ نہیں جو حضرت ام الخیر فاطمہ نے اپنے فرزند جگر بند سیدنا حضرت غوث پاکؓ کو سفر کے وداع کرنے کے وقت دیا تھا، یعنی فرمایا تھا کہ اے بیٹے ہر روز ایک سو گیارہ مرتبہ اسے پڑھ لینا، **اللّٰہ الکافی قصدت الکافی وجدت الکافی حسبت الکافی نعم الکافی کفانی الکافی وللّٰہ الحمد** شیخ نے گستاخی سے دوبارہ کہا کہ ماسوا اس کے چالیس دینار بھی تو دیا تھا لہٰذا سیدنا کو اور مجھے بھی تو کچھ دیجئے۔ حضرت نے چالیس کنکریاں اٹھائیں اور اسے میرے ہاتھ میں دیا، دیکھا تو چالیس اشرفی ہے، شیخ حسن پر عجیب

حالت طاری ہوئی، ساری شوخی ہوا ہوگئی، بدن کانپنے لگا، منھ سے آواز نکلنی دشوار ہوئی، گھگھی بندھ گئی۔ حضرت نے جب اسے اس حالت میں پایا تو نہایت نرمی سے فرمایا اے شیخ نہ ڈرو، میں اپنی اولاد و مریدان پر نہایت شفقت رکھتا ہوں، تم سے خفا نہیں ہوا، ان اشرفیوں کو ساتھ رکھو ضرورت کے وقت خرچ کرو، خدا تمہیں اسم با مسمیٰ کرے گا، بہتر کار حسنہ انجام کرائے گا۔ بعد اس کے سید چالیس خلفاء و خدام کے ساتھ روانہ ہوئے، منزل بمنزل اترتے ہوئے جاتے، آرام کے واسطے ایک دن بھی کہیں نہ ٹھہرتے تھے۔

سید کا قندھار پہنچنا

سید جب قندھار میں پہنچے تو والی قندھار نے آپ کی آمد آمد سن کر حضرت نصیر الدین تبریزی سے کیفیت و حال آپ کا دریافت کیا، تبریزی نے کہا ان کے حالات کیا پوچھتے ہو وہ قطب الاقطاب، فرد الافراد ہیں، ایسے عارف باللہ کم ہوتے ہیں، میں دو بار ان کی ملاقات سے مشرف یاب ہو چکا ہوں، ایک مرتبہ تو مکہ معظّمہ میں اور بار دگر روم میں، حق تو یہ ہے کہ ان کے ایسا محقق عالم باعمل عارف باللہ صاحب کشف و کرامات اس وقت تک میری نگاہ سے نہ گذرا۔ خلیفہ کو اور بھی عقیدت آپ کی استوار ہوئی، تبریزی کو فوراً استقبال کے واسطے بھیجا، اور وہ آپ کو بصد تمنا و آرزو وہاں تک لایا، جب سید کو تشریف لاتے ہوئے خلیفہ نے دیکھا نہایت اعزاز و اکرام سے استقبال کر کے صدر جگہ پر بیٹھالا اور خیر مقدم کہا، اور ارکان دولت و اعیان منزلت سمیت آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

منقبت

قندھار میں خلیفہ کے مرید ہوتے ہی جوق جوق لوگ سید کے پاس حل مشکلات و غوامض دینیات کے دریافت کے واسطے آتے اور مسائل پوچھتے، ایک دن علماء و فضلاء و اکابر

برصوفیہ سے مجلس گرم تھی، ایک شخص نے یہ پوچھا کہ جس عورت کے سر کے بال کی چوٹی گندھی ہو یا جوڑے بندھے ہوں، اسے نہانے کے وقت کھول ڈالنا اور تمامی بالوں کا بھگو دینا ضروری ہے یا کیا، سید نے اس کے جواب میں یہ حدیث پڑھی جو ام المومنین حضرت ام سلمہ سے مروی ہے **قال النبی ؐ لام سلمة یکفیک اذا بلّ اصول شعرک** (یعنی بال کی جڑوں کا تر ہو جانا تجھے کافی ہے)۔

اس جلسہ میں شیخ منصور نامی جو علماء اجل سے قندھار کے تھا مگر تدہر و فلسفیت اس پر غالب رہا کرتی تھی، اس حدیث کے سنتے ہی آخر اس کے دل نے اصالت کی لی، اور وسواس شیطان نے اس پر یہ بات جمائی کہ نعوذ باللہ کہیں پیغمبر اپنی بیوی کے خاطر سے تو یہ نہ کہہ دیا جیسے اب لوگ سنداً پیش کرتے ہیں، سید نے کہا اے منصور یہ کیا خیال فاسد تو نے دل نشیں کیا، افسوس اذعان قلبی تیرا چوپٹ ہو گیا ہے، نبی کا کلام بالکل وحی ہے خواہ متلو ہو یا غیر متلو، جب پیغمبر پر نفسانیت وخاطر داری سے مسئلہ بیان کرنے کا گمان کیا جاوے تو نور ایمان باقی کب رہے گا۔ شیخ اس کلام معجزہ نظام کو سن کر پشیمان ہو کر توبہ کیا کرتا، سر سے اپنے خطرات ووسواس ہی سے منکر ہو کر کہنے لگا، تم ایسے ایسے کلام کہہ کر عوام کو دام تزویر میں پھانستے، اپنی جانب رجوع کراتے اور اپنی بازار کرامت کو گرم کرایا چاہتے ہو گویا بڑے صاحب کشف ہیں۔ سید نے کہا اے سفیہ! میں نے تیرے حال پر ترحم کیا جو یہ کہا، اور جب تو مجھے جھٹلاتا ہے تو ابھی دیکھ لے تیرا دل ہی کیا کہتا ہے۔ سید کا یہ جملہ تمام ہوتے ہی شیخ منصور کا دل جنبش میں آیا اور نہایت فصاحت سے اس کے قلب سے آواز تصدیق کی آپ کے کلام کی سنی گئی۔ اس حالت کے ہونے سے شیخ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، بدن اس کا کانپنے لگا، زبان گونگی ہو گئی، حاضرین مجلس وعلماء نے کہا **الیوم نختم علی قلوبھم وتکلمنا وتشھد أرجلھم بما کانوا یکسبون** میں نے قرآن شریف میں پڑھا تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر حمل ہی کے اندر لڑکے نے گواہی دی، اور یوسف علیہ السلام پر دو ماہہ بچے

نے شہادت دی، اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں قاتل کا ہاتھ ہی بول اٹھا، اور آج یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں ہی سے سنا، علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل کی اس وقت تصدیق ہوئی، سیکڑوں نے منہ کی کھائی، اس وقت چند مجوسی بت پرست بھی حاضر تھے اس کرامت کے مشاہدہ سے فوراً مشرف باسلام ہوئے۔ خلیفہ قندھار نے منصور کو اس برے کردار کا سزاوار خیال کر کے دار پر چڑھانا چاہا مگر سید نے اسے باز رکھا اور منصور سے توبہ کرائی، منصور نے بیعت چاہی مگر سید نے انکار کیا اور فرمایا اس واقعہ کے پہلے ممکن تھا اب نہیں ہوسکتا۔

سید کے ہاتھ پر سید علاؤ الدین تبریزی کا بیعت کرنا اور خرقہ خلافت پانا

قندھار میں یوں تو خلیفہ اور وہاں کے ہزاروں خلق خدا نے آپ کے ہاتھوں پر معاصی وشرک وبدعات سے توبہ کی اور راہ راست پائی مگر خرقہ خلافت وارشاد کا سید علاء الدین تبریزی ہی کو عطا ہوا۔

کہتے ہیں کہ جس دن سید نے تبریزی کو اپنا خرقہ پہنایا تو زبان مبارک سے بہت کچھ اسرار وغوامض طریقت کی تلقین فرمایا اور کہا خبردار کبھی غلبہ حال اور سکر کی حالت میں بھی خلاف شرع کوئی لفظ زبان پر نہ لانا، اور جیسا کہ بعض نادانوں نے طریقت کو شریعت سے علاحدہ مانا ہے اور مخالفت شارع کو عین حقیقت جانا ہے، تم ہرگز ایسے ایسے احمقوں کے خیالات فاسد کی پیروی نہ کرنا، انہیں توہمات کے باعث بہتر طریقے صوفیوں کے پیدا ہوئے ہیں، جو اسلام سے الگ ہوگئے ہیں، تو اب خرقہ پہنو، مگر اے علاء الدین اتنا اور سن لو کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے یہ کہہ کر خرقہ دیا تھا کہ اے بیٹے میں نے جب تجھے مردہ صفت پالیا ہے تب ہی پہنایا ہے، اس لئے تمہیں بھی کہے دیتے ہیں کہ آج سے مردہ صفت ہو جاؤ۔

شیرازی کہتا ہے، میں نے عرض کی کہ سیدنا زندہ مردہ صفت کیونکر ہوسکتا ہے، آپ نے

کہا کیا تونہیں جانتا، میں نے کہالاعلم لنا الا ماعلمتنا (مجھے کچھ دانست نہیں پر جوتو نے بتایا) سید نے ارشاد کیا جوانسان مرتا ہے،تو ہرایک اجزابدن کے اس کے گل کر خاک ہوجاتے اوراسی میں مل جاتے ہیں، پس ضرور ہے کہ اسی طرح خرقہ پوش کے نفسانی جذبات اور برے خیالات بھی اس کے دل سے دور ہوکر مردوں کی نعش کی طرح خراب وخستہ ہوکرفنا ہوجائیں،اورخطرات فاسداس کے قلب پر نہ گذریں، جووہ معارف حق کے سدراہ ہوں، تا کہ ٹھیک موردیا ایتھا النفس المطمنه کا ہوجاوے، میں نے پھر پوچھا یاحضرت کیا ہرانسان کے اجسام کی ہڈیاں چونابن کر اور گوشت پوست سڑ کر برباد ہوجاتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہاں، پر انبیا اوربعض اولیاوشہداء کی لاش کوزمین کا کھانا حرام ہے، کیونکہ اجساد ان کی روح کے صفات پیدا کر لیتے ہیں، اس واسطے پیغمبر خدا سے منقول ہے کہ میں پشت کی جانب سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جس طرح مقابل سے آنکھوں کی بدولت، اور جب بدن باقی نہ رہا بلکہ جان بن گیا تو پھر استحالۂ کون وفساد سے مبرا ہوگیا، کیونکہ الروح لایزیدولاینقص (روح کم وبیش نہیں ہوتی) اوراس کا فعل مرنے کے بعد سوائے عبادت واشتیاق ودیدار الٰہی کے اور کچھ نہیں رہتا،لیکن اس عبادت کے لئے وہ بموجب اس آیت کے واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین یعنی موت کہ بیشک ہے) مکلّف بھی نہیں ہے، اورکسی طرح کی برائی اور بھلائی کرنے کی طاقت ان میں باقی نہیں رہتی، عالم برزخ میں تمام عالم کی سیر کرنا بھی اس کا خیالی ہی ہوتا ہے، جیسے ایک لکھنے والے کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں اوروہ اپنی انگلیاں ہلاوے تووہ اپنے خیال میں گویا لکھتا ہے مگر حقیقت میں کچھ لکھتا نہیں، خیال محض ہے، اور ہرکس کی روحیں جذبات نفسانی اورلذات جسمانی سے پاک ہوجاتی ہیں۔اس واسطے عورتوں کے قبر پر جانے سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے کیونکہ موانست ومیل کچھ باقی نہیں رہتا ہے، مگراپنے فرزندوں سے انقباض نہیں ہوتا، لہٰذاعورتوں کوزیارت قبر کی حرام ہے، اوراس پر سرود کرنا اوراسی قبیل سے خلاف شرع کے

باتیں برتنا بہت ہی برا ہے، ارواح ایسے لوگوں پر لعنت کرتی اور بہت ہی ان سے بیزار ہوتی ہیں۔

سید کا قندھار سے روانہ ہونا

جب تین دن مہمانی کے گذر گئے، سید نے خلیفہ قندھار سے رخصت چاہی، اس نے کہا ابھی اور رہئے، ہم لوگوں کو ہنوز سیری نہیں ہوئی ہے، آپ نے فرمایا حق مہمان داری کا ادا کر چکے، اب فقرا کو امرا کے دروازے پر ٹھہرنا اچھا نہیں، کیا تم نے نہیں سنا، **بئس الفقیر علی باب الامیر.** خلیفہ لاچار ہوا اور رخصت کیا۔ چلتے وقت چالیس ہزار دینار اور چھ گھوڑے اور بیس اونٹ اور ایک اونٹ خاص جو نہایت ہی عمدہ اور خوش منظر تیز رفتار تھا ہدیۃً پیشکش فرمایا۔ سید نے اسی وقت سب کو ساتھیوں پر بانٹ دیا مگر اس اونٹ کو اپنی سواری کے واسطے رکھا، اور جس گھوڑے پر وطن سے چڑھ کر چلے تھے اسے شیخ حسن کو دے دیا، اور شیخ حسن والا گھوڑا مجھے عنایت ہوا، میں نے عرض کی۔

کہ سوالم کنم زہمسر خویش   کہ خورم فضلۂ برادر خویش

سید نے کہا فقیر کو نفسانیت اور گھن نہیں چاہیے، جاؤ سوار ہو۔

سید کا ملتان میں پہنچنا

قندھار سے چند دنوں کے بعد ملتان پہنچے، وہاں انہیں دنوں میں مخدوم زمانہ، عالم یگانہ، سید اخی سراج الملۃ والدین محدث اپنے تینوں بیٹے سید محمود علی، سید سلمان، سید مخدوم کے ساتھ اپنے وطن مشہد سے آکر وارد تھا، جب اس نے سید کی آمد سنی استقبال کر کے گھر لے گیا، اور حق مہمانداری کا بجالایا، اور بیٹوں سمیت جو ہر ایک علوم میں طاق شہرہ آفاق تھے مرید ہوا۔ ایک دن سراج الدین مشہدی کے پاس ایک غریب متقی آدمی آیا اور اپنے حالات مصیبت کو اس طرح پر کہنے لگا کہ ہمارا ایک بھائی ہے، حالانکہ میں نے کوئی بھی بدی اس کے ساتھ نہیں کی ہے، بلکہ جہاں تک بن پڑتا ہے بھلائی ہی کئے جاتا ہوں مگر وہ ہماری ترقیوں اور نعمتوں کو دیکھ کر مجھ سے

حسد رکھتا ہے، کئی مرتبہ حاکم وقت کے یہاں نا کردہ گناہ جوڑ توڑ لگا کر پھنسایا اور پٹوایا ہے، مجھے اسکے مقابلہ کی سکت نہیں، اگر تم سے اس معاملہ میں دستگیری ہو تو دریغ نہ فرماؤ، مخدوم صاحب نے بلایا، نہ جواب دیا، مگر سید نے اس کے حال زار پر التفات فرما کر کہا کہ تو کیوں غم واندہ میں ہے، پیغمبر خدا نے فرماہی دیا ہے۔ **الحسد نار یاکل صاحبه** (ریس وہ آگ ہے جو ریس کرنے والوں ہی کو جلا دیتی ہے) جاؤ اپنے حاسد کا حال گھر جا کر دیکھ لو۔ وہ جو گھر آتا ہے تو اپنے دشمن کو جلا بھنا مردہ پاتا ہے، لوگوں سے معلوم ہوا کہ ابھی چند منٹ میں از خود آگ اس کے بدن میں لگ گئی، ہر چند لوگوں نے اس کے بجھانے کی بہت کوشش کی مگر آگ کیا تھی نار جہنم تھی، جس نے اسے جانبر نہ ہونے دیا، خاک سیاہ کر چھوڑا۔

سید کا سور ہر پور پہنچنا اور وہاں ازدواج فرمانا

والد بزرگوار نے سید کے ہندوستان کے چلتے وقت یہ فرمایا اے میرے پیارے ہر چند تمہیں میں آداب واخلاق ملکی کا نمونہ پاتا ہوں، کچھ وعظ ونصائح کی حاجت نہیں دیکھتا، خدا نے سب ہی نعمتیں عطا کی ہے [کذا] لیکن تمہاری طبیعت کو رہبانیت وتجرید کی جانب زیادہ تر مائل پاتا ہوں، اس واسطے یہ نصیحت کئے دیتا ہوں کہ جب ہندوستان میں پہنچنا تو مزاوجت ضرور کرنا، سنت رسول ﷺ سے متمتع ہونا، دیکھو حدیث صحیح میں وارد ہے النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ بیوی کفو اعیان اشراف کی، خصوصاً اپنے ہی خاندان سے ہو، اگر سید احمد قادری جو ہندوستان میں جا کر سکونت پذیر ہوا ہے اس کے گھرانے میں لڑکی مل جاوے تو اس کے سوا کہیں اور کا قصد نہ کرنا۔ سید سیاحت فرماتے ہوئے ملتان سے روانہ ہوئے تو سور ہر پور(۱) ہی میں اقامت پذیر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ وہاں سید حسن بن سید تاج الدین ابوعبدالرزاق بن سید ابوصالح احمد نے خواب میں بشارت پائی کہ سید محمد بن سید درویش آتے ہیں انہیں استقبال کر کے لاؤ اور اپنی خواہر کے ساتھ مخطوب کرو۔ سید حسن جب خواب سے بیدار

ہواسیدنا کواستقبال کر کے اپنے گھر لایا اور حق مہمان داری کا بجالایا اور اپنی بہن کے ساتھ بیاہ دیا، پندرہ دن تک وہاں رہے پھر روانہ ہوئے۔

سید کا راجہ جیون کے پاس پہنچنا اور اس کا آپ کی بددعا سے ہلاک ہونا

شیرازی نے لکھا ہے کہ سید (۲) ۸۴۶۰ھ میں سات مہینے کے عرصہ میں سیاحت فرماتے ہوئے چالیس اولیاء کبار کے ساتھ اس موضع میں جسے اب نرہنا (۳) کہتے ہیں پہنچے، شیخ علی ہندی کو ساتھ لے کر اس حاکم جیون ظالم سے ملاقات کر کے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ دعوت حق کی فرمائی ،اور اس کے ظلم و تعدی کی شکایت کی، آخر تقریر میں اتمام حجت کے واسطے یہ بھی بتلایا کہ اگر ایمان نہیں لاتا تو مسلمان پر ستیزہ کرنا بھی تو چھوڑ دے، چونکہ راجہ بادۂ نخوت میں سرشار و جور و جفا اس کا شعار تھا، اس کے دل پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ اگر بدکاریاں دستم گاریاں مجھ میں نہیں ہیں تو کیا سبب ہے کہ ایک آزاد فقیر بے خوف و خطر ہمارے برابر آبیٹھا اور کچھ بھی میرے دبدبہ وجلال کا ہراس اپنے دل میں نہ لایا اور بے دھڑک نصیحت فرما ہوا، جب وہ ستم گر سید کے وعظ و پند پر کچھ بھی ملتفت نہ ہوا بلکہ اور بھی جھلا گیا تو ناچار آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، پر چلتے وقت زبان مبارک سے فرمایا کہ دیکھ خدا کی ہیبت وجلال سے ذرا ڈر و ظلم وستیزہ سے باز آ، نہیں تو علاوہ عذاب آخرت کے دنیا میں بھی یہ جاہ و حشم طرفۃ العین میں خاک میں مل جاوے گا، فرعون کی طرح غرق ہو جاوے گا۔ خدا نے سید کی زبان میں ایسا اثر دیا آپ کا کہنا تھا اور مینھ برسنا شروع ہوا اور اس قدر برسا کہ اس نے طوفان نوح کا کام کیا، آناً فاناً یہ (۴) اس موضع کے متصل میں ایک ندی کے دور سے آیا ہوا تھا نہایت ہی موج پر آیا، جیون کا گڈھ بالکل ہی گر گیا، اور وہ مردہ بھی مع اپنے ظالم ساتھیوں کے ہلاک ہوا۔

سید کا نرہنا میں رہنا

اس واقعہ کے بعد نرہنا کے جنگل میں سید اپنے ساتھیوں سمیت رہنے لگے، جب اس سانحہ کی خبر اطراف وجوانب میں پھیل گئی تو کرمون نامی کولہ جیون کا بھائی جوڈومرہ موضع میں نرہنا سے کوس بھر کے فاصلہ پر رہتا تھا اپنے بھائی کے ساتھ نرہنا میں آیا اور تمامی بیابان کو چھان مارا پر پتا سید اوران کے ہمراہیوں اس کو کچھ بھی نہ ملا، ناچار اپنے گھر پلٹ گیا۔

سید کے ہاتھوں پر قوم بنی جان کا بیعت کرنا

شیرازی کہتا ہے کہ ایک رات نرہنا کے میدان میں ہم سوتے تھے، صبح کو اٹھے تو سید کو یاروں کے ساتھ نہ دیکھا، تلاش میں ان کے ادھر ادھر پھرے، تو ایک جانب سید کو ایک جماعت کثیر کے ساتھ بیٹھا ہوا تعلیم امور دینیہ اور بیعت کراتے ہوئے پایا، نزدیک جاتا ہوں تو ڈراؤنی صورتیں، بھیانک شکلیں نظر پڑیں، جن کے دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہوگئے، ہاتھ پاؤں کانپنے لگے، بے اختیار چیخ ماری، اور فریاد کی، ہماری اس حالت کے ہوتے ہی وہ مہیب مہیب شکلیں نظر سے غائب ہوگئیں، ہماری جان میں جان آئی، سید سے پوچھا یا حضرت یہ کون لوگ تھے، ذری تشفی تو ہماری کر دیجئے۔ فرمایا تو گھبراتا کیوں ہے، یہ لوگ جنات ہیں، مجھ سے مرید ہونے آئے ہیں۔ میں نے کہا پھر اب وے [کذا] چلے کہاں گئے، فرمایا تیرے ڈر جانے سے وے صرف تیری نگاہ سے غائب ہوگئے ہیں، ورنہ حقیقت میں وہ یہیں پر ہیں، میں نے عرض کی، اے حضرت ان کے عالموں میں سے کسی کو کہہ دیجئے کہ اچھی شکل میں ظاہر ہو کر مجھ سے اس وقت ملاقات کریں، سید نے فرمایا **یاشمعون احضر جمیل** ا(اے شمعون اچھی صورت میں حاضر آ) یہ فرماتے ہی ایک مرد شکیل خوبصورت پیرہن پہنے منڈیسا سر پر باندھے ہوئے آیا اور مجھے مخاطب ہو کر صاحب سلامت کی، میں نے اس سے پوچھا کیا تمہارا کوئی دین خاص نہیں ہے۔

کہاہاں آدم علیہ السلام کے ہزار سال پہلے ہمارا دین خاص اور پیغمبر بھی تھا، جس کی اطاعت کسی نے نہ کی، بلکہ جنوں نے انہیں مارڈالا، تب اللہ جل شانہ نے ابلیس کے ساتھ ہزاروں فرشتوں کو بھیج کر ساری قوم کو ہلاک کیا، اور زمین سے انہیں الگ پہاڑوں، جنگلوں میں جا بھگایا، پھر عرصہ دراز تک ابلیس وفرشتوں ہی کا عمل دخل رہا، گرچہ ابلیس ہماری ہی قوم سے تھا، پر خوش اطواری، سلامت روی کثرت عبادت سے اس وقت فرشتوں میں گنا جاتا اور عزازیل کہا جاتا تھا، اس کی نیکی سے اور لوگ جو بیابانوں میں تھے خدا کی توحید کو مانتے اور عبادت کرتے تھے۔ جب ابلیس راندہ درگاہ ہوا اور خلافت آدم کو سپرد ہوئی تو ہم لوگوں میں جو بھلے مانس تھے وے حضرت آدم کے پاس رجوع ہوکر ایمان لائے، بت پرستی، سفا کی وغیرہ سے توبہ کی، مگر ابلیس جو فرشتوں کے ساتھ زمین پر آنے اور عبادت کرنے کے سبب اپنے تئیں نیابت وخلافت کا مستحق خیال کرتا تھا حضرت آدم کے خلیفہ ہونے سے خدا کے حکم کا منکر ہوکر اس نے کفر ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ حسد کی آگ میں پھُنک کر ان کا اور ان کی اولاد کا خم ٹھونک کر کھلے بند عدو ہو گیا اور ان کے پیرو اور متعلقان کی باٹ مارنے اور بہکانے کا بیڑا اٹھایا۔ پھر تو بھائی بندوں کو بہکا کر اپنا سا نبالیا، اور خود بھی بیاہ شادی کر کے اپنی اولاد کو بڑھا کر بڑا ہی جاہ وحشم کا بادشاہ بن بیٹھا جس کے باعث ہمارے جنات کی قوم میں حضرت آدم کے عہد سے تین گروہ کے لوگ ہوگئے ہیں، ایک تو ابلیس کے چیلے، دوسرے اس کی اولاد کے، دونوں شیاطین کہلاتے ہیں، تیسرے وہ جو انبیاء ورسل پر درجہ بدرجہ ایمان لاتے گئے۔ مگر حضرت سلیمان کے عہد میں تو سوائے ابلیس کے سب ہی شیاطین مسخر وگرفتار ہوگئے تھے، اور بظاہر کلمہ گو بھی تھے لیکن بعد ان کے پھر ابلیس کے ساتھ ہو لیے۔

غرض جس طرح انسان کو شیطان بہکاتا ہے، موسوی عیسائی ہوکر خدا کے شرک کی بدعت میں مبتلا کراتا ہے ایسا ہی اس کی صحبت ہے، ہمارے نیک اجنہ کی اولاد بھی موسوی عیسائی ہوکر

بت پرستی وغیرہ کرتے تھے، آخر جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو ایک دن بطن نخلہ میں تھوڑے لوگوں نے قرآن شریف سنا اور ایمان لائے، پھر تو جوق جوق مسلمان ہونے لگے اور شیطان کا زور پہلے سے بہت کچھ گھٹ گیا، آسمان پر جانا اسرار کا چھپ کر سن آنا اور اس حیلہ سے غیب دانی کا دعویٰ کر کے لوگون کو بہکانا غرض سارا مفسدہ اس کا ٹھنڈھا [کذا] پڑا، لیکن تو بھی وہ اور اس کی ذریات گمراہ کرنے سے باز نہیں رہتے، اکثر ان کا داؤ چل ہی جاتا ہے مگر نیک لوگ بعد رسول اللہ ﷺ کے جب کبھی کسی مسئلہ میں بھٹکتے ہیں تو علماء، فضلاء اور اولیائے کرام بنی آدم کے پاس رجوع کرتے ہیں۔ تم نے کتابوں میں سیر کی، دیکھا ہوگا کہ ایک بار کوفہ کی مسجد میں حضرت علی علیہ السلام سے خطبہ پڑھنے میں ایک جن نے اژدر کی صورت میں آکر کچھ باتیں کان میں کہیں، آپ نے اس کا جب جواب دیا تو وہ چلا گیا، لوگوں نے اس کے جانے پر حضرت سے استفسار کیا، آپ نے فرمایا کہ مومنین اجنہ میں ایک مسئلہ میں اختلاف تھا، دونوں فریق نے اسے وکیل مقرر کر کے مجھے حکم بنایا تھا۔ اسی طرح اے علی شیر سید محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانیؒ کے پاس فوج کی فوج ہمارے بنی جان آتے اور مرید ہوتے، اذکار اشغال، مسائل رشد و توحید سیکھتے تھے، اور اس وقت تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک رہے گا، ہر ایک انسان کو ہمارے دیکھنے کی آنکھ نہیں، صرف عرفائے کرام، اولیائے عظام ہی دیکھ سکتے ہیں، ان دنوں سیدنا کے مثل علم و عمل، زہد و فضل میں دنیا میں کوئی نہیں، اسی واسطے ہم لوگ بھی قبلہ حاجات جان کر کبھی کبھی خدمت اقدس میں آتے اور حسب استعداد اور قابلیت اپنے مسائل ضروریہ ورشد و عرفان سے مستفید ہوتے ہیں۔ میں نے کہا اے شمعون! یہ تو معلوم ہوا بھلا کہو تو سہی تمہاری سب ہی قوم پر سیدنا کا حکم نافذ ہوتا ہے، اس نے کہا، اے علی شیر! تو فاضل ہو کر ایسا سوال کرتا ہے، سیدنا کا حکم تو موالید ثلاثہ وغیرہ جمیع مخلوقات پر چلتا ہے، ان باتوں کو سن کر میں نہایت مسرور ہوا، سیدنا سے عرض کی کہ یا حضرت آپ بھی حضرت سلیمان کی طرح کیوں نہیں تخت ہوائی پر چلتے، جن

وانس تو تابع ہی ہیں پھر ہر ایک ظالم کافروں کو کیوں نہیں ان کے کردار بد کی سزا دیتے اور جہاد فرماتے، سید نے مسکرا کر جواب دیا کہ بفحوائے حدیث **علماء أمتي كانبياء بني اسرائيل** علماء امت بھی ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ انبیائے سابقین نے کیا وے اب بھی کر و کہہ سکتے ہیں، مگر جو بات جس نبی کے ساتھ مخصوص تھی وہ اولیاء کرام کے ساتھ دواماً نہیں ہوسکتی، کرامۃ گاہ گاہ انبیاء کے معجزے کی تصدیق کے واسطے ہوتی ہے۔

منقبت

شیزاری کہتا ہے کہ ایک بارگاہی کا چرواہا اپنی مویشی چراتا ہوا اسی میدان میں جانکلا جہاں ہم لوگ رہتے تھے، ہمارا اس ویرانے میں رہنا اس کو اچنبھا معلوم ہوا، پوچھا تم لوگ کس طرح ایسے خوفناک جنگل میں رہتے ہو، جہاں بھیڑیا، شیر، چیتا، اژدہا کے بہتات ہیں، سید نے کہا ہمیں خدا نے جہاں پہنچا دیا وہاں رہتے ہیں، جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ظہور میں آئے گا۔ یہ کلمہ فرما ہی رہے تھے کہ ایک اژدہا خونخوار پھن کاڑھے ہوئے نمودار ہوا جس کو دیکھ کر آپ بعض ساتھیوں اور کاروانیوں کو اس کی ہیبت سے اضطراب ہوا، اژدھا سید کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا، اے حضرت مجھے بھی اپنے مریدوں میں شامل کیجئے، سید نے اسے کلمہ شہادت کا تلقین فرما کر کہا خدا کی یاد میں جاؤ مشغول رہو۔ میں نے پوچھا اے سید آپ نے صوم وصلاۃ، حج وزکاۃ کی اسے کچھ بھی تعلیم نہ فرمائی، صرف کلمہ پڑھا کر مرید بنالیا، آپ نے جواب دیا ارکان اربعہ انسان ہی پر فرض ہیں، اور مخلوقات کے واسطے صرف ایمان وذکر الٰہی کافی ہے، کیونکہ یہ مدرک جزئیات وکلیات نہیں، جو احکام روزے ونماز وحج کے سیکھیں، اور مال کچھ بھی نہیں رکھتے جو زکاۃ ادا کریں، اور اس کے کلمہ پڑھنے اور ایمان لانے پر استعجاب فضول ہے۔ **ان من شئی الا یسبح بحمد ربه.**

ہر گیا ہے کہ از زمین روید   وحدہ لاشریک لہ گوید

حضرت صالح کی اوٹنی اور اس کے بچے کی حالت سن چکی ہو، جو ایمان لائے اور انسان کی

طرح کلمہ پڑھتے تھے، حضرت داود کے وقت میں پہاڑ جانور آدمیوں کی ایسی تسبیح وتقدیس کرتے تھے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے **وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر وکنافاعلین** . (اور تابع کیے ہم نے داود کے ساتھ پہاڑ، پڑھا کرتے اور اڑتے جانور، اور ہم نے یہ کیا تھا) اور اصحاب کہف کے کتے نے توحید آدمی ہی کی زبان میں پڑھی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمامی علویات وسفلیات ایمان لائے تھے۔ خلفاء، ائمہ اور اولیاء کرام کے پاس بھی بعد نبی علیہ السلام کے خیل خیل طیور وحوش حشرات الارض کے آتے اور تلقین پاتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھوں پر بھڑوں کے بادشاہ نے بیعت کی اور ہدایت پائی، حضرت غوث کے پاس مچھلیاں اور چرند پرند آدمیوں کی صورت میں آتے اور ہدایت پاتے، اور مسائل توحید وایمان کے سیکھتے، اورادق واہم مسائل معرفت وتوحید پوچھتے اور واقعات وحادثات اور حالات وحقیقت اپنی بیان کرتے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام خلیفۃ الارض تھے، اس لئے انسان خلافت جمیع مافی الارض کا مستحق ہے، اگر وہ جذبات نفسانی اور لذات جسمانی کو ترک کرکے خدا ہی کا ہو رہے گا تو زمین پر کیا موقوف ہے، ’’آنچہ اندر وہم ناید آن شوم‘‘ کا مستحق ہو جاوے گا۔ پھر عرض کی یا حضرت یہ اژدھا موذی ہے، ہزاروں کا خون کر چکا ہوگا، اسے اور اس کی تمامی نوعیت کو ایذا دہی کی قدغن کیوں نہیں کردیتے۔ حضرت نے کہا ہر ایک درندوں اور کٹکھنے جانوروں کی غذا بھی جانور ہی مقرر کی گئی ہے، اس واسطے انہیں جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے خاصیت گزیداور درندگی خدا ہی کے یہاں سے عطا کی گئی ہے، جب یہ لوگ محل ومواقع پر اپنے خصائص کو برتتے ہیں تو ماخوذ عنداللہ نہیں ہوتے، جس طرح انسان بھی بعض جانوروں کو جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے، ذبح کرکے کھاتے پکاتے ہیں تو وہ گنہگار نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارے ایسے ایسے رکیک سوالوں اور مباحثوں سے تبریزی نے ملامت فرمائی اور کہا ارے میاں تجھے یہ باتیں اس طرح سید سے پوچھنی زیب نہیں دیتیں، آداب بالائے طاق کرکے کھلم کھلا مباحثہ ہی شروع کردیا، اور لطف یہ کہ تحکم بھی کرنے لگا، ایسا کیوں نہیں کرتے، اور اس طرح

کیوں نہیں فرماتے، میں نے کہا بھئی خفا کیوں ہوتے ہو، کچھ تم سے تھوڑا ہی پوچھتے ہیں، آپ چیں بجبیں، سرکہ پیشانی کیوں ہورہے ہیں، بھلا جن باتوں کو میں نہ جانوں یا اس پر استعجاب کروں تو اسے سید سے نہیں تو اور کس سے پوچھوں اور مشکلات کس سے حل کروں۔ سید نے کہا اے علاؤالدین، کچھ مضائقہ نہیں، جن باتوں کو وہ نہ جانتا تھا پوچھتا تھا، مجھے اس کا کچھ بھی خیال نہیں ہے، بلکہ مریدوں اور عزیزوں کو میں اپنے جان کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔

چرواہا یہ کرامت دیکھتے ہی سید کے قدموں پر آ گرا اور عرض کی اے حضرت، مجھے بھی مسلمان کیجئے، اور تعلیم باطنی کی [کذا] فرمایئے، حضرت نے ہندی زبان میں اسی کلمہ توحید سمجھا کر نور ایمان سے منور فرمایا، اور کہا جاؤ تھوڑا دودھ ہم لوگوں کے واسطے لاؤ، اس نے معذرت کی کہ یا حضرت گھر پر میں دودھ دے کر مویشیوں کو لایا ہوں، ایک قطرہ دودھ کی بھی امید نہیں ہے۔ سید نے اشارہ ایک بچھڑی (باچھی) کی طرف کر کے فرمایا، کہا کہ جاؤ اسی سے دوھ کر لاؤ، اس نے کہا یہ تو دو مہینے کی محض بچہ ہے، خود ہی دودھ پیتی ہے، دودھ کیونکر دے گی، حضرت نے کہا، بھلا تم بسم اللہ کہہ کر جا کر دوہتے بھی ہو یا یوں ہی انکار کئے جاتے ہو۔ الغرض چرواہا بچھیا کے پاس دودھ دوہنے کو گیا، خدا کی قدرت سے تھن اس کا دودھار گائے کی طرح ہو گیا اور اس سے دودھ رواں ہوا۔ جب دودھ سید کے پاس آیا تو آپ نے سپری کو سی اژدھے سانپ کے آگے دے کر فرمایا لے اسے پی جا، خدا نے تیری یہی روزی مقرر کی ہے، آج سے تجھے بھر پیٹ دودھ ملا کرے گا، پر خبردار کسی کو ایذا نہ دینا یا اور کوئی حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) بھول کر بھی نہ کھا جانا۔

منقبت

چرواہا جب مرید ہوا تو اس نے پیر کے یہاں سے صادق نام پایا اور ہمیشہ آپ کے رفیقوں کے واسطے دودھ ضرورت کے مطابق لایا کرتا تھا۔ ایک روز دودھ دے کر اپنے گھر واپس جاتے وقت اثنائے راہ میں اس نے دیکھا کہ دو مسلمان مسافر ندی کے کنارے ڈھاڑیں مار مار

کر رو رہے ہیں، اور ایک گھوڑا ان کے مقابل مرا پڑا ہے، ان سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ بولے بھئی دریا خاں والی بہار کے ہم دونوں حاجی خاں اور جامی خاں سگے بھائی ملازم خاص ہیں، اس نے کسی سے سنا کہ سہسرام میں کسی سوداگر کے پاس ایک گھوڑا خوش منظر، خوش سیر، چالاک، تیز رفتا، بےمثل ہے، اسی کے مول لانے کے واسطے ہمیں وہاں بھیجا تھا، ہم اسے خرید کر لئے آتے تھے، آج قضائے الٰہی سے یہاں پر پہنچتے ہی مر گیا، دریا خاں ہمارا آقا بڑا ہی ناسمجھ مغلوب الغیظ ہے، کہے گا تم ہمارے روپے کھا گئے یا گھوڑا ہی بیچ ڈالا ہوگا، اب ہمارے سامنے باتیں بناتے ہو، اور صرف اتنا کہنے، جھڑکنے، جرمانہ کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ اس کی بیدردی سے جان کی ہلاکت کا پورا خطرہ ہے، اسی غم سے ہم بےموت مر رہے ہیں، چرواہا ان کے کڑھن کی کہانی سن کر کہنے لگا، تم غم نہ کھاؤ، ہمارے ساتھ چلو، اسی بیابان میں ایک مرد عارف باللہ ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے جا کر اگر اپنے دکھ درد کے حالات کہو گے تو تمہارے حق میں کاش ترس کھا کر دعائے خیر کر دیں گے تو یقیناً غم غلط ہو جاوے گا۔ ابھی سانپ واژدھا ان کے پاس آ کر کلمہ پڑھ چکے ہیں، دو ماہہ کنواری بچھیا کے تھن سے انہیں کے کہنے سے میں نے دودھ دوہا ہے، یہ سنتے ہی وہ دونوں بھائی ان کے ساتھ ہوئے اور سید کے پاس پہنچے، اور اپنی سرگذشت کہہ سنائی، سید نے کہا اب گھوڑے کا جینا محال ہے، یہ خام خیال اپنے دل سے نکال ڈالو۔

وہ خدا کے بندوں نے فوراً خنجر میان سے نکال کر اپنی شکم میں مار کر خودکشی کرنی چاہی، سید نے ان کے ہاتھ تھام لیا، اور فرمایا چلو دیکھیں تو تمہارا گھوڑا کہاں ہے، وہ دونوں حضرت کو اسپ مردہ کے پاس لے آئے، سید نے کہا قم باذن اللہ، خدا کے حکم سے وہ مرا ہوا گھوڑا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ حاجی خاں اور حاجی جامی خاں دونوں بھائی گھوڑے کے زندہ اور سلامت ہو جانے پر بیعت خواہ ہوئے، ہر چند آپ نے انکار کیا پر ان کے اصرار نے چار ناچار مجبور کر دیا، لہٰذا انہیں بھی مرید فرمایا لیکن یہ ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا ہماری کرامات جو دیکھتے سنتے ہو کسی سے ظاہر نہ

کرنا، مجھے اپنی شہرت واظہار ولایت منظور نہیں، کاش جب کبھی کسی سے کہو گے تو پھر اسی دم گھوڑے کو زندہ بھی نہ پاؤ گے، جیسا اس دم تھا اسی طرح مردہ دیکھ لو گے، وہ بولے بھلا یہ کب ممکن ہے، جو آفتاب تاباں ہمیشہ نہاں رہے، آپ ہزار طرح سے چھپائیں گے، لیکن نور ہدایت وعرفان سورج کے جوت کی طرح اسی جنگل سے عیاں ہوگا، اورتمامی دیار کو درخشاں فرمائے گا۔ ہم سے تو یہ انہونی بات ہی کبھی چھپائے نہ چھپے گی، چاہے گھوڑا زندہ رہے یا مرجائے، ہم کو تو آپ اپنے آقا کی پرواہ بھی نہیں ہے، سید نے کہا یہ گھوڑا اس کی امانت ہے، اس کے پاس تمہیں پہنچانا واجب اور ضروریات سے [ہے] تو جاؤ اس کو دے دو، پھر تمہیں اختیار ہے جہاں چاہو رہو، ان کی نوکری کرو یا نہ کرو۔

جب وہ سید کی خدمت سے رخصت ہوکر دریا خاں اپنے آقا کے پاس بہار میں آئے تو وہ گھوڑا دیکھ کر بہت محظوظ ہوا، اس کے لانے کے صلہ میں بہت کچھ انعام دیا، خلعت پہنایا ،اور اپنے خاص مقربان میں داخل فرمایا۔ ایک دن اولیاء کے حالات اوران کی کرامات کا تذکرہ اس کے دربار میں ہورہا تھا ان دونوں سے نہ رہا گیا بے دھڑک کہہ اٹھے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

آپ لوگ سنی سنائی کہانی کہہ رہے ہیں، یہاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھے چلے آرہے ہیں۔ دریا خاں نے کہا کچھ ثبوت بھی رکھتے ہو یا یوں ہی بے پر کی اڑاتے ہو، انہوں نے کہا اس وقت بے ساختہ ہمارے منھ سے نکل گیا، جو سید کی کرامت اوران کی ولایت کا اظہار کیا، [اس کا] بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ آپ کا وہ بے مثل بادرفتار گھوڑا مر گیا ہوگا، کیونکہ مجھے تاکیداً فرمایا تھا کہ اس راز کو کسی سے ظاہر نہ کرنا ورنہ گھوڑا اسی دم مرجائے گا۔ دریا خاں اسی دم اس جلسہ کے لوگوں کو لے کر اصطبل میں آیا تو حقیقتہً گھوڑے کو مردہ پایا، سائیس سے پوچھا، یہ کب مرا، اس نے کہا، یکا یک گر گیا، میں اسی فکر میں ہوں، کہیں معتوب نہ ہوں۔ والی بہار پر گھوڑے کو مردہ دیکھ کر

حالت طاری ہوئی، [اپنے] آپ میں نہ رہا، فوراً سید کی ارادات دل میں سمائی، اور مع خدم و حشم نرہنا کی راہ لی۔ جب خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تحفہ و ہدایا پیشکش فرمایا، اور جس چشمہ پر اس کا گھوڑا مرا اور زندہ ہوا تھا سید کے رہنے اور عبادت کے واسطے ایک مسجد اور خانقاہ بنوا دیا، آپ کے فیضان صحبت اور تربیت سے ستم گاری اور بیداری اس کی مبدل بہ معدلت و رعایا پروری ہوئی۔

شیرازی کہتا ہے، خانقاہ اور مسجد نرہنا میں بنتے ہی شہرت اس کی انتہا درجہ کو پہنچی، خاص و عام، ہندو مسلمان ہر ایک قوم کا اژدہام ہوا، ہم لوگوں کو خواب و خورش وغیرہ حوائج انسانی اور عبادات سجانی کرنے کی ایک لحہ مہلت نہ ملتی، سخت تکلیف ہوتی تھی، ناچار سیدنا نے فرمایا، اور کسی دوسری جگہ اٹھ چلو، جہاں وحوش و طیور و درندے اور خونخوار حیوانات رہتے ہوں، تا کہ اس مصیبت سے نجات ہو، جب ہم لوگ چلنے لگے تو وہ گائے کا چرواہا مرید صادق بھی پہنچا اور حضرت سے طبیعت کے اچاٹ ہوجانے کا سبب پوچھا، چونکہ وہ نیا مرید تھا، ساری کہانی دوہرانی اور وجہ اس کی بتانی مناسب نہ جانی، مگھی ہندی زبان میں جو اس کی مادری زبان تھی فرمایا۔'' نہ مایا جیوا بھیا نرہنا ہوا'' اسی روز سے اس جنگل اور چشمہ کا نام نرہنا پڑ گیا جواب تک کہا جاتا ہے۔

سید کا موضع امجھر میں سکونت اختیار کرنے کا بیان

سید جب نرہنا سے چلے تو موضع امجھر میں آئے، وہاں کی آب و ہوا خوشگوار معلوم ہوئی اس لئے وہیں بالاستقلال سکونت اختیار فرمائی، نرہنا میں صرف دو چار مہینے رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ ۸۴۰ھ میں بغداد سے چلے، سات مہینے گیارہ دن راہ میں رہے۔ سید کے ساتھیوں کو کچھ بھی مسافت اور راہ کا تکان آپ کی صحبت سے نہ ہوا، آدمی تو آدمی تھے، اونٹ، گھوڑے، باربرداری

کے جانور بھی چاق و چست رہے، باوجودیکہ راہ چلنے کے وقت بڑی بڑی قلب[کذا] گھاٹیوں سے گذرنا، پہاڑوں اور جنگلوں میں برابر رہنا[ہوا] اور بھر پیٹ کھانا اور نیند بھر سونا اور ٹھنڈا پانی پینا اور خنک ہوا میں رہنا کبھی نصیب نہ ہوتا تھا۔

منقبت

ایک دن انجھر میں ظہر کی اذان ہو رہی تھی، اس وقت اتفاقاً سیر و شکار کے واسطے کرموں زمیندار گولہ کا اس طرف گذر رہوا، آواز اذان کی سن کر لوگوں سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے، واقف کار ساتھیوں نے اس کے کہا، یہ آواز مسلمانوں کے عبادت کی ہے، لوگوں کے جمع ہونے کے واسطے ہوا کرتی ہے، اس نے کہا، بھلا مسلمانوں کا اس جنگل میں کہاں سے گذر رہوا، لوگوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کی بددعا سے تمہارے بڑے بھائی کا ستیاناس ہوا، گاؤں گھر سارا غرقاب ہوا، تم نے جب ان کا تعاقب کیا تو جنگل میں چھپ رہے، ڈھونڈھنے نہ ملے، آج کل تو ان کا ستارہ عروج پر ہے، بہار کا صوبہ[دار] مرید خاص ہو گیا، اس جنگل میں مسجد مکان عالیشان بھی ان کے واسطے بنادیا، مگر انہوں نے اس جگہ کو چھوڑ چھاڑ کر اب اس بیابان میں آئے ہیں نہیں معلوم ارادہ کیا رکھتے ہیں، خدا ہی حافظ ہے، اب تمہاری سرحد و سیوانی میں بھی داخل ہو گئے، شاید سارا جنگل اپنے تصرف میں لائیں گے۔

یہ خبر سن کر وہ مردود بہت ہی جھلایا، اپنے سپاہیوں اور سواروں سے کہا جاؤ ان لوگوں کو فوراً قتل کر ڈالو، جو ان بے سروں کا سر لائے گا خلعت خاص سے سرفراز ہو گا، جاگیر اور منصب پائے گا، اس کے جاں باز سپاہی یہ اذن پاتے ہی سید کی ہلاکت کے قصد سے چلے، خدا کی قدرت سے اسی دم بادل گرجنے لگا اور پانی برسنا شروع ہوا اور بہت زور سے بجلی کڑکی، اور ان سپاہیوں پر گری، جب اپنے آدمیوں کی خبر بجلی سے جل کر مر جانے کی اس کولہ تک پہنچی تو اور گھبرایا، کہنے لگا معلوم ہوتا ہے یہ لوگ بڑے جادوگر ہیں، اسی کی بدولت ہمارے بھائی کو زیروزبر کیا، اب ہمیں

بھی خراب کیا چاہتے ہیں، بیٹے نے اس کے یہ سن کر تسلی دے کر کہا، آپ گھبراتے کیوں ہیں، مجھے بھی سحر سازی آتی ہے، میرے مقابلہ میں اگر سامری ہوتا تو جھک مارتا، یہ کہہ کر بہتیرے جادوگروں کو ساتھ لے کر سید کے پاس پہنچا اور بزورِ سحر کے سید اور ان کے ساتھیوں پر پتھر برسانا شروع کیا، سید اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، اس پتھر کی بارش سے پیشانی مبارک مجروح بھی ہوئی، مگر آپ نے نماز نہ چھوڑی، شیخ محمد مجذوب کو یہ حالت دیکھ کر طیش آیا، لٹھیا ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا، سب جادوگروں کو پیٹ پاٹ کر بھگا دیا اور اس کولہ کے بیٹے کو جان سے مار کر چشمہ کے نیچے گاڑ دیا، جب اس کولہ نے اس حادثہ کی خبر سنی تو رویا پیٹا، چیخا چلایا، ہزاروں آدمیوں کو ساتھ لے کر سید کے پاس آیا، اور بولا تم لوگ بڑے ظالم ہو، ہمارے بیٹے کا خون ناحق کیا، شیخ حسن نے کہا اس نے ہم لوگوں پر حملہ کیا تھا، جس کے باعث اپنے اعمال بد کا سزایاب ہوا، اس کلام کو سن کر برہم ہوا، اور سید کے مار ڈالنے کے قصد سے لڑکے کے پاس آیا، تلوار کو تول کر کے گردن مبارک پر چلایا ہی چاہتا تھا، جونہی آپ کی [کذا] نگاہ سے اسے دیکھا، آپ کا دیکھنا تھا کہ آپ کی ہیبت اور جلال سے ہاتھ اس کا کانپا، تلوار چھوٹ کر خود اس کے شکم پر آ گری، جس سے پیٹ اس کا چاک ہو گیا، آنتیں نکل پڑیں، وہیں مٹی کا ڈھیر ہوا۔

منقبت

کرموں کولہ کے واقعہ کے بعد سید نے فرمایا، ہر چند چاہتا ہوں کہ گوشہ میں بیٹھ کر زندگانی بسر کروں، ہجوم خلائق سے الگ رہوں، مگر خدا کی خواہش اور ہی ہے، اس لئے لاچاری ہے، یہ فرما کر عصا (۵) کو جو ہر دم ہاتھ میں رہا کرتا تھا چشمہ کے پاس گاڑ دیا، اور کہا لے تو بھی اسی جگہ ٹھہر جا، میں بھی اب اسی زمین پر رہوں گا، آپ کا فرمانا تھا اور عصا ایک درخت پر شاخ و برگ ہو گیا، پھل و پھول بھی اس میں ترت [فوراً] پیدا ہو گیا۔ شیرازی کہتا ہے، میں نے پوچھا حضرت کیا عصا کا پیڑ قیامت تک رہے گا، سید نے فرمایا ہر گاہ پیغمبر خدا کے لگائے ہوئے درخت باقی نہ رہیں گے

تو یہ کیونکر رہے گا۔ **کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام .**

منقبت

سید کی کرامات اکثر ظہور میں آتی تھی [کذا] جس کی شہرت ہونے سے اطراف وجوانب کے بڑے بڑے مشائخ کبار حلِّ مشکلات شریعت ومعرفت کے واسطے جوق جوق آتے اور مرید ہوتے تھے۔ ایک دن ہانسی پور کے مشائخ زادوں میں سے شیخ احمد جو معزز ونامی صوفیوں میں سے تھے مرید ہو کر سید کو مع رفقاء کے اپنی خانقاہ میں لے جا کر مدعو کیا، اتفاقاً ملک قاذق نامی والی اس دیار کا جو شکار کے واسطے وہاں وارد تھا ملاقات کے لیے شیخ احمد کی خانقاہ میں گیا، سید کے ساتھیوں کو دیکھ کر شیخ مذکور سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں، جو تیرے یہاں کھانے پر ہاتھ مار رہے ہیں، شیخ نے کہا یہ لوگ حضرت سیدنا کے رفقاء سے ہیں، تب اس نے کہا یہ لوگ فقر کا تو دم بھر تے ہیں پر حرص لپٹی جاتی ہے، کھانے کے واسطے کہاں سے مارے پھرتے ہیں، شیخ حسن نے کہا اے ملک، کیا تو حکم خدا اور رسول سے نرا غافل ہے، دعوت مسنون ہے، تب جواب میں اس نے کہا، سچ تو ہے، پر ایک دن کھانا نہ ملے تو سر تک اپنا کھا جاؤ، اور حیلہ صفت ہی کا کرو، شیخ حسن سنتے ہی اس کلام کے آگ بھبھوکا ہو گیا، کہا تو مجھے سر کھانے کو کہتا ہے، دیکھ تو سہی تیرے سر کی کیا حالت ہوتی ہے، شیخ کے فرماتے ہی ملک جی گھوڑے سمیت گر گئے، گردن اس کی گھوڑے کے پاؤں سے ایسے دبی جو موڑا کر پیٹ سے آ لگی، بیٹا اس کا اٹھا کر سید کے پاس لایا اور معذرت خواہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ سید کی دعائے خیر سے گردن اس کی جٹ گئی اور وہ فوراً چاق وتندرست ہو گیا۔

ردازیارست ودرماں نیز ہم

کا مصداق ہوا۔

منقبت

اجھر میں سیدنا چشمہ کے کنارے پر مع رفیقوں کے ساتھ رہتے تھے، مگر رہنے کا جھوپڑہ

[کذا] تک درست نہ تھا، زمین ہی پر بستر سید کا جما رہتا، جب جاڑے کا موسم قریب آیا، ایک دن ہوائے سرد شدت سے چلتی تھی، اور مینھ بھی برستا تھا، ہر شخصوں کے حالات ابتر تھے، قفل صبر و رضا کا ہر ایک کے دل و زبان پر لگا تھا، صرف سید علاوالدین تبریزی نے اس دم یہ مقولہ پڑھا، **الحرّ یوذی و البرد یقتل** (گرمی ایذا دیتی ہے اور سردی تو مارے ڈالتی ہے) سید نے کہا کیوں بے صبر ہوئے جاتے ہو، خدا اناً فاناً میں سارا سامان رہنے اور پہنے کا درست کر دے گا، شام کے وقت اسی روز ا یک آدمی آیا اور ہزار اشرفیوں کی ہمیانی [کذا] سیدنا کے قدموں پر چڑھایا اور کہا اے حضرت قبول فرمائیں، ملک بنگالہ سے شیخ مسعود نے جو حضرت کا مرید ہے آپ کی خدمت میں نذر میری معرفت ارسال کیا ہے، سید نے اس دم علاء الدین کو وہ ساری اشرفیاں حوالہ کر کے فرمایا جاؤ اسی سے اپنا اور سب کسی کا لباس سرمائی درست کر ڈالو۔ علاء الدین ہانسی پور میں کپڑوں کی خریداری کے واسطے گیا، ناگاہ وہاں ملک قاذق سے دوچار ہو گیا، قاذق نے اسے دیکھتے ہی اپنے لوگوں سے کہا، اس شخص کو ابھی مار پیٹ کر نکال دو، ایک بار اسی کے ساتھیوں کی بدولت گھوڑے سے گرا اور بمشکل جاں بر ہوا، دیکھو اب تک یہ لوگ اس بستی کی آمد و رفت نہیں چھوڑتے نہیں معلوم اب کون سی بلا پھر نازل ہو گی۔

یہ سن کر سید علاوالدین کے پیچھے اس کے لوگ دوڑے اور وہ بیچارہ شیخ احمد کے مکان کی طرف بھاگا، راہ میں خدا سے اپنی مظلومیت کا اظہار اور مخلصی کی مناجات بالحاح و زاری کرتا تھا، خدا کی قدرت دیکھئے، اسی دم اس کے گھر میں آگ لگی، شور و غل برپا ہوا، لوگ اس کے علاء الدین کو چھوڑ کے آگ بجھانے کے واسطے چلے گئے اور یہ بخیر و خوبی شیخ احمد کے گھر میں ٹھہرا رہا۔ اس آتش زدگی سے سارا ہانسی پور اور ملک قاذق کا گھر مع اثاث البیت جل کر خاکستر ہو گیا، صرف شیخ احمد کی خانقاہ محفوظ رہی، حالانکہ وہ ملک قاذق کے گھر سے بہت متصل تھی۔ شیخ احمد سے منقول ہے کہ جب آگ سے ساری بستی جل رہی تھی اس دم سیر نگاہ میں یہ معلوم ہوا کہ گھر کے احاطہ کے

پاس سیدنا کھڑے ہوئے یہ مناجات کررہے تھے،اے اللہ تواس گھر کو آتش زدگی سے محفوظ رکھنا، جب قاذق کا سارا اثاثہ جل کر خاکستر ہوگیا اوراس کے باعث ساری بستی پر بھی وبال آیا تو روتا پیٹتا مع عیال واطفال کے حضرت کے پاس آیا اور بالحاح وزاری منت وسماجت کرنے لگا، اور کہا اب کبھی بے ادبی نہ کروں گا، حال زار پر میرے ذرا نگاہ کیجئے اور دعائے خیر فرمایئے،سید نے کہا۔

یہ الجھ پڑنے کی خواچھی نہیں بے حجابہ گفتگو اچھی نہیں

تونے اپنی کرتوتوں کی سزاپائی ،جان بوجھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالی،فقراء سے چھیڑخانی کیسی،قاذق نے کہااے حضرت جیسا میں نے کیاویسا پھل پایااب اگر آپ مجھ پر توجہ فرمائیں گےاورمیرے حق میں دعائے خیر نہ کریں گےتو دنیا کا تو یہ حال ہوا،عاقبت کا نہ معلوم کیا ہوگا،سید نے کہا،جاخدائے تعالیٰ تجھے عنقریب دولت مند کردے گا، بڑاذخیرہ پائے گا،اس وقت جس درخت میں پھل لگے ہوانہیں کوقوت لایموت کرو۔

وہ جب وہاں سے چلا تو تھوڑی دور جنگل میں پہنچا، جہاں سوائے مہوہ کے کسی درخت میں پھل نہ تھا،ناچاراس کوکھانے لگامگرآخرآدمی ہی تو تھاایک ہی دودن میں جومع عیال واطفال کے مہوہ کھایا گھبرااٹھااوردرخت سے مہوہ بھی گرنا کم ہوگیا،تب توڈاڑھیں[کذادھاڑیں] مارکر بے تابی میں رونے لگا،خدا کی قدرت دیکھئے،اسی حالت میں زمین کے نیچے جونگاہ کرتا ہے تودفینہ نظرآتاہے،دیکھتے ہی باچھیں کھل گئیں،اسی جگہ پرایک عمارت کی بناڈالی اورپھراپنی اجڑی بستی کو وہیں پر بسائی، اورنام اس کا مہولی رکھا اورانجھر میں آکرسیدنا کے ہاتھ پرتوبہ استغنا کرکے مریدوں کے سلسلے میں منسلک ہوا، اورموضع انجھر میں حضرت کے رہنے کے واسطے عمارتیں بنوادیں۔جب رہنے کے مکانات بن گئےتوسیدنانے شیخ حسن سے فرمایاجاؤ،سوہرپور میں ہمارے متعلقان کولے آؤ،شیخ حسن آپ کے فرمانے کے مطابق وہاں گیا،اورسید حسن کوخط

دیا اور اسی دن بیمار پڑا، چار دن کے بعد فوت ہوا، اور سوہر پور میں مدفون ہوا۔ سید حسن نے سید کے متعلقان کو مع خدم وحشم کے خود اپنے ساتھ لے کر انجھر میں پہنچا دیا۔

منقبت

ایک بار عثمان خاں اور میاں خاں جو حضرت کے مریدوں میں سے تھے ملازمت کے واسطے شیخپورے سے انجھر آتے تھے، برسات کا موسم تھا جب پن پن ندی کے پاس پہنچے تو وہ جوش پر تھی کشتیوں پر اپنے خدم وحشم کے ساتھ سوار ہو کر اترنے کو چاہا مگر اس وقت پانی کی طغیانی ہوئی، کشتی طلاطم میں پڑی اور ڈوبنے لگی، دونوں بھائیوں نے فریادزاری مچائی، اذا رکبوا فی البحر دعوا اللّٰہ. (جب سوار ہوئے کشتی پر پکارنے لگے اللہ کو) پر عمل کیا اور عالم یاس میں سید ناہی کا دھیان بندھا رہا اور انہیں کو یاد کرتا رہا، خدا نے سید کے اظہار کرامت کے واسطے آپ کو ان کی کشتی کی تباہی سے آگاہ کیا اور خلاصی کے واسطے دست مبارک کو پہنچا دیا، جس نے ڈوبتوں کو کشتی تھام کر پار اتار دیا، اس وقت سید انجھر میں بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اس جماعت میں لوگوں کی نظروں سے دہنا ہاتھ آپ کا تھوڑی دیر کے لئے غائب رہا اور پھر پانی سے تر بہ تر نظر پڑا جس کے باعث حاضرین کو سخت تعجب ہو رہا تھا، سبب اس کا لوگ بعد اختتام وعظ کے پوچھا ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں عثمان خاں اور میاں خاں دونوں بھائی پہنچے اور اپنی کشتی کے ڈوبنے اور پھر سید کو یاد کرنے اور دست مبارک کے پہنچنے سے حاضرین کو آگاہ کیا۔

منقبت

جب سید معین الدین، جلال الدین اور سید نظام الدین تینوں بیٹے سید کے پیدا ہوئے اور پڑھانے کے قابل ہوئے تو شیخ علی ہندی نے کہا ان لوگوں کی تعلیم ضروری ہے، سید نے کہا مجھے فرصت عبادت الٰہی سے کب ملتی ہے جو انہیں پڑھاؤں، پر کسی عالم کو تجویز کرنا چاہیے۔ یار و آشنا آپ کے اسی فکر میں تھے کہ چند دنوں کے بعد مولوی بھیکن بہاری بہار سے سید کی

ملازمت کو آیا اور کہنے لگا یا حضرت میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت غوث پاک فرماتے ہیں اے مولوی اگر تجھے فرزند کی تمنا ہے تو سید کے پاس جا اور اس کے لڑکوں کی تعلیم کر، اس کے مزد میں خدا تجھے صاحب اولاد کرے گا۔ سید نے اس کے لیے دعا خیر کی، خدا کی قدرت سے سال ہی بھر میں مولوی کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا اور وہ بھی سید کے اولاد کی تعلیم دل وجان سے کرنے لگا۔ ایک دن مولوی بھیکن بہاری نے مکتب میں کہا کہ میرا توکل سید کے توکل سے بڑھا ہوا ہے، لہٰذا مجھے سید پر فضیلت ہے، کیونکہ ان کی فضیلت و بزرگی اس دیار میں پھیل گئی ہے، جس کے باعث اطراف کے لوگ جوق جوق تحفہ و ہدیہ لے کر آتے ہیں اور مرید بھی خدمت کیا کرتے ہیں اس لئے لگاؤ اور تعلق تو انہیں موجود ہے، اور یہاں تو کچھ بھی نہیں، نرا توکل ہی توکل ہے۔ یہ کلام سن کر آپ کے خدام میں سے ابوجعفر جو اکثر مکتب میں حاضر باش رہتا تھا بولا اے ملا، اپنے ہوش کی دوا کیجئے، یہ کیا خبط سمایا ہے، تم خود ہی دون شیخی کی لے رہے ہو، اپنی بزرگی جتا رہے ہو، شاید لڑکے عقل تمہاری لے گئے، جب تفاخر و کبر دل میں سمایا تو پھر تو سارا فضل و ہنر چوپٹ ہوا، بھلا آپ اور اولیاء اللہ کا مقابلہ کریں۔

مینڈکے را زکام پیدا شد

صرف علوم فقہ وحدیث ہی پڑھنے سے عرفان حق نصیب نہیں ہوتا، ملا نے کہا تمہارے سید کی ولایت کب ثابت ہوئی ہے، جب ولی اللہ ہوتے تو بیشک میں ان کا مقابلہ نہ کرتا، ابوجعفر نے کہا اتنی کرامات کو دیکھتے سنتے ہو پھر بھی انکار کرتے ہو، دیکھو ابھی کل کی بات ہے، نرہنا میں جیون و کرمون کا مقہور ہونا، دور کہاں جاتے ہو انہیں کے دعائے خیر کے طفیل سے تم بھی صاحب اولاد ہوئے، کیا یہ بھی بھول گئے، ملا نے کہا جو کچھ خدا کو کرنا تھا ہوا، ابوجعفر نے کہا سچ ہے **ختم اللہ علی قلوبھم**. خدا کی قدرت دیکھئے کہ لڑکے نے ساری کہانی ملا کی اندرون حویلی میں جا کر دوہرا دی، جس کے باعث حضرت سید کی بی بی کو سخت ملال ہوا، دعائے بد فرمایا اور کہا اگر ملا کی اولاد سید کے دعائے خیر کی برکت سے نہیں ہے تو خیر ورنہ لڑکا اس کا دیکھنا فوراً آگ سے جل کر

مرجاوے گا، خدا اس پندار اغلط کا بدلہ دے گا، اللہ کی قدرت سے ہفتہ ہی کے اندر مولوی صاحب کا بھانجا بہار سے آیا، جس سے معلوم ہوا کہ اس دن ملا کا لڑکا جل کر مر گیا، جب ملا کو حضرت خاتون کی بددعا کرنا اور جس کے باعث لڑکے کی ہلاکت کا ہونا معلوم ہوا تو ڈیوڑھی پر جا کر نالاں ہوا، حضرت بی بی نے دعا دے کر کہا جاؤ خدا تمہیں ایک دختر نیک اختر عطا کرے گا جس سے تمہارا نام ونشان باقی رہے گا۔

سید کی وفات کا بیان

چودہویں ماہ صفر کو سید یاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے وعظ فرمارہے تھے، اس وقت حکیم شیخ منور کٹمبوی آیا م اور عرض رساں ہوا کہ ہمارے قصبہ کٹمبہ میں ہر ایک بزرگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کا خواہاں اور قدمبوسی کا مشتاق ہے، اگر ذات اقدس تھوڑے دنوں کے واسطے اس موضع میں رونق افروز ہوتے تو ہم لوگ آپ کے فیضان صحبت سے بہرہ مند ہوتے، اور خوشی سے پھولے نہ سماتے، سید نے کہا اے حکیم ہمارا وقت سیر وسفر کا جاتا رہا اب زمانہ اقامت کا آیا، حکیم نے کہا اگر خود نہ تشریف فرما ہوتے تو کسی کو خلفاء میں سے اجازت دیجئے تا کہ ان مشتاقین کی آگ شوق کی بجھ جائے اور شربت ہدایت سے سیرابی ہو جائے، سید نے فرمایا وہاں کے لوگوں کی تعلیم ورشد وہدایت علی شیر کے ہاتھ پر مقدر ووابستہ ہے۔ حکیم علی شیر کو اپنے ساتھ چلنے کو اٹھ کھڑا ہوا اور وہ بھی دوبارہ سید کے اذن کا طالب ہوا۔ سید نے کہا، ابھی تھوڑے دنوں تک تم کو وہاں جانا نہ چاہیے، حکیم جی کو بھی یہیں ٹھہرنا لازم ہے، ایک واقعہ غرہ ربیع الاول کو ہونے والا ہے، اس روز تم لوگ بھی تو رہ جاؤ پھر اختیار ہے جب چاہو چلے جاؤ۔ حکیم منور اس کلام کو سن کر ٹھہر گیا۔

جب ۲۷ صفر کی ہوئی سید کو تپ محرقہ لاحق ہوئی، حکیم کٹمبوری معالج ہوا بہت کچھ اس نے علاج کیا مگر تپ روز بروز بڑھتی ہی گئی، حکیم منور کی کوئی تدبیر سودمند نہ ہوئی، جب حکیم کے قیافہ سے پریشانی محسوس ہوئی تو سید نے مسکرا کر فرمایا تم غم نہ کرو دوا کرنے سے باز نہ آؤ، **لکل داع**

دواء و دعــاء (ہرایک مرض کے لئے دوااوردعا ہے) پرغرہ ربیع الاول تک معمل [کذا] رہو،دوا کارگر ہی ہوجاوے گی،نہیں تو جو مرضی مولیٰ کی۔ جب غرہ ربیع الاول کا پہنچا سید نے اپنے رفقاء اور مریدوں اور یاران کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عبادت اور نفس امارہ کے ساتھ مخالفت اور اپنا طالب اور عاشق صادق ہونے کو پیدا کیا ہے،انسان کو یہی کام کرنا چاہیے،سوائے اس کے اور کوئی کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے،بعد اس کے ایک ایک کو جداگانہ خلوت کرکے حسب استعداد اس کے نعمتیں عطا کی [کذا] اور وصیت فرمائی، بعدہ السلام علیکم کہہ کر رخصت چاہی اور کلمہ شہادت زبان مبارک سے پڑھا اور جان بحق تسلیم کیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کہتے ہیں کہ مرتے وقت آپ نے کہا یار وفقیر تو جاتا ہے،اس کی یاد عشق عشق سے رہے گی،لوگوں نے تاریخ وفات کو خوض کیا تو ایک یار نے کہا تم لوگ اس میں فکر کیا کرتے ہو سید کا کلام کوئی بھی حکمت سے خالی نہ تھا،لفظ عشق کو مکرر پڑھیے،مادہ تاریخ بحساب جمل دیکھ لیجئے۔

سید کے عرس کا بیان

سید کا عرس غرہ ربیع الاول میں ہرسال موضع انجھر میں ہوتا ہے،اس دن وہاں کے لوگ شیر برنج پکوا کر اپنے اپنے گھروں میں ہندوستان کے دستور [کے] مطابق فاتحہ کرتے ہیں،ظہر کی نماز کے بعد تبرکات کی زیارت سجادہ نشیں کی جانب سے ہوتی ہے،اس وقت ہزاروں خلائق کا ہجوم ہوتا ہے۔

تبرکات کا بیان

جن تبرکات کی زیارت ہوتی ہے ان کی دو قسم ہے، اول وہ ہے جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ سید کے ساتھ بغداد سے آیا ہے،ان میں شیرازی کی تحریر سے جو اس نے سید کے پسر کلاں حضرت معین الدین کے منقبت میں لکھی ہے،صرف حضرت غوث پاک کے خرقہ کا ٹھکانہ ملتا ہے، وہ کہتا ہے کہ سید معین الدین ہی خلعت خاص محبوب سجانی شیخ عبدالقادر جیلانی کے

ساتھ سرفراز ہوا، یعنی خانہ کعبہ کے صوف سیاہ کا خرقہ حضرت غوث پاک کا جواباً عن جدٍ ہاتھوں ہاتھ سید تک پہنچا اس سے اپنے بڑے صاحبزادے کو پہنایا۔

اور قاضی سید محمد جواد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ سید کو پدر بزرگوار نے چلتے وقت تاج ،خرقہ اور عصا تین چیزیں حضرت پاک کی عطا کی، ان کے علاوہ اور بھی تبرکات موجود ہیں، لیکن ہم نے دیباچہ میں بذیل معذرت پہلے ہی سنی سنائی باتوں کے عدم اندراج کا التزام کرلیا ہے، ورنہ ہم ولی اور نہ ولی کے پرکھنے والے، نہ صاحب کشف ونہ کشاف شناس، جو بزور ولایت یا کشف انہیں جانچ و پرتال لیں، لہٰذا ان کے متعلق کی روایات اور فہرست قلم انداز کی جاتی ہیں۔ قسم دوم اس تبرکات کی ہے جو خود حضرت سیدنا اور ان کی بعض اولاد کے ملبوسات ہیں، جن میں سیدنا اور حضرت شاہ عبدالرشید(۶) کے خرقے اور سید شیر علی(۷) شہید کا جامہ موضع انجھر میں بڑی شوق سے بروز عرس زیارت کرایا جاتا ہے، اور حضرت سید سلیمان(۸) کا خرقہ موضع بمنڈ یہا میں بتاریخ یازدہم ربیع الثانی کے دکھایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سید کی تصانیف کا بیان

حضرت کی تصانیف میں سوائے ایک دعا کے جس کا نام تہذیب القرآن اور حذب الادعیہ بذال معجمہ ہے کوئی کتاب یا رسالہ منسوب نہیں ہے، اور وہ دعا بھی حضرت سیدنا یا ان کے خلفاء میں سے کسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آج موجود نہیں ہے، صرف بعض اولاد کے پاس دوسروں کے ہاتھ کی لکھی ملتی ہے۔ اس دعا کا آغاز درود شریف **اللهم صلی علی روح محمد فی الارواح** سے ہوتا اور اختتام بھی درود شریف ہی پر ہوتا ہے، درمیان میں آیۃ الکرسی اور اکثر آیات قرآنی اور درود شریف ہے، اور بعد ہر ایک دعا کے **اما السائل فلا تنهر** واقع ہے، کہتے ہیں کہ سادہ طور پر مطالب دنیوی کے واسطے مزاولت اس کی کیمیا خاصیت ہے، اور تصورات صوفیہ کے طریق سے ممارست اس کی باعث انجلاء وانکشاف ومعرفت ہے اور ہر ایک مسالک

فقر وتصوف کے طے ہوجاتے ہیں اور وجدان وعرفان کامل حاصل ہوتا ہے، اور ہر ایک عقدۂ لاینحل حل ہوجاتا اور کوئی بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

میں نے چاہا کہ یہاں پر اس دعا کو مع ترکیب وتصورات کے لکھ کر ہدیہ ناظرین کروں لیکن بعض اکابر مانع ہوئے، علاوہ اس کے چند نسخوں کو جوڑا، اکٹھا کیا تو سوائے دو دو آیات کے دعاؤں میں بہتیرا اختلاف پایا، جو دعا ایک نسخہ میں موجود ہے وہ دوسرے میں مفقود ہے، بعض عالمین سے اس کے جو استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میاں لوگوں نے اس میں اور بھی الحاق کردیا ہے، صحیح وہی ہے جو عالمین کے سینوں میں اس وقت تک محفوظ ہے، میں نے ان سے صحت چاہی تو ٹال گئے، لہٰذا اس کی اشاعت سے مجبور رہا، جن حضرات کو اس کی مزاولت وورد کی حاجت ہو تو حسب رواج صوفیہ کرام کے سید کی اولاد میں ان حضرات سے جن کی ذات سے اب تک سلسلہ بیعت وارشاد کا جاری ہے طلب کرلیں۔ امید ہے کہ اکثر حضرات سوائے بعض کے اجازت دینے میں ہرگز دریغ نہ فرمائیں گے۔

حواشی

(۱) شیرازی نے اسی قدر لکھا ہے، ضلع، صوبہ، پرگنہ کا کچھ پتہ نہیں، مگر قاضی سید محمد جواد کے نسب نامہ میں میری نگاہ سے یہ گذرا سور ہر پور متصل کچھوچھہ، واللہ اعلم۔ مؤلف۔

(۲) بعض تذکرہ نویسوں نے سید کے آنے کا زمانہ ہمایوں شاہ بن بابر بادشاہ کا عہد بتلایا ہے، پر سنہ ۸۴۸ھ ہی لکھا ہے، مگر بہ اعتبار اس سنہ کے یہ زمانہ ہندوستان کا وہ ہے کہ تغلقیہ سلطنت امیر تیمور کے حملہ سے برباد ہوکر لودیوں کی نشوونما ہو چلی تھی، اور ہمایوں شاہ تو پیدا بھی نہ ہوا ہوگا، کیوں کہ اس نے انچاس برس کی عمر میں ۹۶۲ ہجری میں قضا کی، چنانچہ مرنے کی اس کی تاریخ یہ ہے۔

ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

ہاں سید کی وفات کے دنوں میں جو ۹۴۰ھ میں ہوئی، تین چار برس پہلے ہمایوں تخت نشیں ہو چکا تھا، کیوں کہ بابر ۹۳۷ھ میں مرا، اور اسی سال ہمایوں تخت نشیں ہوا، تاریخ وفات بابر کی ''بہشت روزی باد'' ہے۔ ہماری غرض اس

تحقیق سے کسی پر اعتراض جمانا اور اپنی قابلیت جتانا منظور نہیں ہے، نعوذ باللہ، کیوں کہ مجھے یقینی معلوم ہے کہ صوفیوں پر سلطنت کے انقلاب کا نہ تو کچھ اثر ہوتا اور نہ انہیں کچھ بادشاہوں سے مطلب رہتا ہے، خصوصاً سید کا ساتھی بزرگ جو گھر بار چھوڑ کر عزیزوں سے منھ موڑ صرف خدا ہی کی یاد میں اپنے پیر کے ساتھ ہولیا، چوں کہ سید کی وفات کے زمانہ میں ہمایوں تخت نشیں تھا، اس لئے اس نے آنے کا زمانہ بھی اسی کی سلطنت کا عہد خیال کرلیا ہوگا۔

(۳) موضع نرہنا کا آج کل کچھ بھی نشان باقی نہیں ہے، شیرازی کی اس عبارت سے کہ ''بمقامے رسیدند کہ آن را اکنون موضع نرہنا خوانند''۔ اور بھی اس کے جنگل کی وجہ تسمیہ سے جو صفحہ ٦١ میں حسب تحریر اس کے مرقوم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس موضع کا نام کچھ دوسرا تھا جس کو اس نے قلم انداز کیا، قاضی محمد جواد اجھری کا خیال ہے کہ وہ موضع ٹال ہے، جہاں جیون رہتا تھا، شاید صحیح ہو مگر تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹال اور اجھر کے درمیان میں کوئی دوسرا موضع جو سید کی بددعا سے جیون کے گڑھ کے ساتھ غرقاب ہوا، بعد اس کے اس جنگل اور جو موضع دربارہ آباد ہوا، اس کا نام نرہنا ہوگیا، پھر تھوڑے دنوں کے بعد نہ تو نرہنا رہا، اور کسی کا وہاں نہ رہنا ہوا۔

(۴) سید برسات کے موسم میں غالباً پہنچے ہوں گے، اسی واسطے اس بہ کو شیرازی اپنی کتاب میں رود لکھتا ہے، اور جیون کے قلعہ کو اسی کے تلے بتلایا ہے، یہ بہ (دہ) موضع حسن پورہ اور اجھر کے بیچ میں دریا کی طرح دور سے موضع ٹال ہوتا ہوا آیا ہے، اور چند مواضعات کو سیراب کرتا ہوا پن پن ندی میں ملتا ہے، برسات میں عرض اس کا بہت بڑھ جاتا ہے، اور کہیں کہیں آدمی ڈوباؤ پانی میں رہتا ہے۔ دیکھو جغرافیہ گیا مصنفہ مؤلف رسالہ۔

(۵) سید محمد جواد جو ۱۱۴۸ فصلی [۱۱۳۸ھ تقریباً] میں بعہدہ قضا مامور تھا، جس نے سید کی اولاد کا نسب نامہ اپنے عہد تک کا درست کیا ہے، اور اس میں کچھ کچھ سوانحات عمری درج کرتا ہے، لکھتا ہے کہ سید کو پدر بزرگوار نے چلتے وقت تاج خرقہ اور عصا تین چیزیں حضرت غوث پاک کی عطا کی تھی، اور یہ فرمایا کہ جس جگہ اس لٹھیا میں کھڑا کردینے سے شاخ و برگ نکل پڑیں وہیں سکونت اختیار کرنا، چنانچہ سید نے نرہنا سے آنے کے بعد موضع اجھر میں اس عصا کو کھڑا کیا تو اس میں کونپلیں اور ٹہنیاں نکل پڑیں، لہذا وہیں اقامت فرمائی، مزار اقدس بھی وہیں ہے۔ وہ جو سید کے مزار کے احاطہ کے اردگرد ایک قسم کا جنگلی درخت ڈھیلہ کے مشابہ بہت لگا ہے، جن سے مقبرہ گھرا پڑا ہے، اس کی پیدائش اسی عصا کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے، اور معروف لکڑیوں کے غیر جنس ہونے کے باعث بحذف مضاف اجناس کہتے ہیں۔ آج کل کے لوگ جو زیارت مزار کے واسطے جاتے ہیں تو تبرکاً وہاں سے ایک چھڑی بھی کاٹ کر لے جاتے ہیں، مشہور ہے کہ پتیاں اس کی سیاہ مرچوں کے ساتھ تپ کو نافع ہیں، اور ہاتھوں میں اس لٹھیا

کا رکھنا مانع اپرس ہے، واللہ اعلم۔

(٦) حضرت شاہ عبدالرشید کا نسب چھٹویں سلسلہ میں سید سے اس طرح پر ملتا ہے، عبدالرشید بن بھوج بن ابوالمعالی عرف شاہ بھیکھ بن عبدالرزاق بن مظفر بن معین الدین بن حضرت سیدنا۔ یہ حضرت اولیائے کبار سے تھے، ان کے عہد میں بڑے بڑے امرائے صوبہ آستانہ بوسی کے واسطے جاتے اور مرید ہوا کرتے تھے۔ ١٩ شعبان المعظم روز پنج شنبہ ١١٦٧ فصلی [اغلباً ١١٥٦ ہجری] میں وفات فرمایا۔

(٧) شیر علی شاہ عبدالرشید کے چوتھے بیٹے تھے، انہوں نے واقعہ چریلا [؟] میں بیجو سنگھ والی ٹکاری کے ہاتھ نواب احمد خاں قریشی کی معاونت میں بروز جمعہ ١٦ شعبان ١١٥٠ ہجری کو شہادت پائی، جس کا مفصل حال اذکار طیبہ فی اولاد محمد یہ تالیف خاکسار میں مرقوم ہے۔

(٨) سلیمان ابن جلال الدین ابدال بن حضرت سیدنا قدس سرہ کو۔ ان کو بیعت خلافت بلا واسطہ اپنے جد اقدس سے ہی تھی، اور ولایت آپ کو پرگنہ منورہ میں عطا کی گئی، مزار پر انوار وہیں ہے، ہر جمعرات کو اطراف و جوانب کے حاجت مند لوگ جاتے اور بر آر کار کے واسطے چلہ کشی کرتے ہیں۔

مؤلف کتاب کا آبائی سلسلہ انہیں حضرت تک اس طرح منتہی ہوتا ہے، عبدالجلیل بن احمد حسین بن حمایت علی بن اسداللہ بن محمد عظیم بن حسام الدین بن سلطان محمد بن محمد مسعود بن حضرت سید سلیمان قادری قدس سرہ السامی۔

پندرہویں صدی کے ایک بہاری صوفی بزرگ

پروفیسر سید حسن عسکری

۱۲-۱۸۱۱ء میں فرانسس بوکانن کو گیا ضلع کے ''داؤ دنگر ڈویزن'' میں تقریباً پانچ سو پیر زادے ملے جن میں سے اکثر محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی متوفی ۱۱۷۵ء/۵۷۱ھ مدفون بغداد کے احفاد تھے۔ طریقۂ صوفیہ قادریہ کے اس مشہور ربانی کے گیارہ فرزندوں میں سے ایک عبدالقادر (رزاق) حقیر محمد قادری کے برادر امت اسلاف میں سے تھے، حضرت محمد قادری کے بارے میں بوکانن کا بیان ہے کہ انھوں نے یہاں آکر کافروں کو ہلاک کیا اور امجار (امجھر) میں مدفون ہوئے، جہاں ان کے احفاد تین مسلم جاگیروں کے مالک ہیں، گیا ضلع میں داؤدنگر سے شمال مشرقی جانب دس میل کے فاصلہ پر ایسٹ انڈیا ریلوے کے پامرگنج اسٹیشن سے لگ بھگ پچیس میل کے فاصلہ پر امجھر ایک گاؤں ہے، جہاں اب تک ایک خانقاہ موجود ہے۔ اس خانقاہ کی بنیاد پندرہویں صدی کے وسط میں حضرت سید محمد قادری نے ڈالی تھی، اور بوکانن کے عہد میں اس کے بڑے پیرزادہ اور ''گدی نشیں'' شاہ منزلت علی (۱) تھے جنھوں نے اغلباً شیخ کے تین فرزندوں میں سے ایک کے طریقہ کو اختیار کیا۔

شیخ کے احفاد بہر حال بوکانن کے عہد میں کئی خاندانوں میں بٹ گئے تھے، اور اس وقت گیا، پٹنہ اور شاہ آباد کے اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس بڑے ہی قیمتی مخطوطات اور وثائق ہیں، لیکن ان میں صرف مولوی سید احمد عروج قادری کے ذریعہ چند دستاویزات جو ان کی ملک ہیں (۲)، مطالعہ کیے جا سکتے ہیں۔ مولوی سید احمد عروج قادری، سلیمان (۳) قادری کے سلسلے کے ایک فرد ہیں جو حضرت سید محمد قادری کے پوتے اور پسر کلاں جلال الدین

متولد ۸۴۹ھ کے بیٹے تھے اوران کا نام قاضی و نائب قاضی کے طویل (۴) سلسلہ میں سب سے پہلے آتا ہے۔ سید سلیمان کی تاریخ ولادت ۸۸۹ھ بنائی گئی ہے۔ یہ سلسلہ اکبر کے عہد سے ایسٹ انڈیا کمپنی تک رہا۔

ان دستاویزات میں چند اسناد اور فرامین کے علاوہ جن میں خاندان کے افراد کے نام کچھ جاگیروں کے عطا کیے جانے کا ذکر ہے، دوسرے وثائق بھی ہیں جو بطور ثبوت (۵) دار القضاء میں ان لوگوں کے حوالہ کیے گئے ہوں گے، اکیاون اوراق پر مشتمل ایک قیمتی فارسی مخطوطہ موسوم بہ مناقب محمدی پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں بھی موجود ہے جس میں خانقاہ مجھر کے بانی، ان کے تین فرزندوں، پوتوں اور پیروؤں کا حال درج ہے، اس کے مؤلف علی شیر شیرازی ہیں، جو بانیٔ خانقاہ کے خاص ساتھیوں میں سے تھے اوراس کی تالیف ان کی وفات کے صرف چھ سال بعد ۹۴۶ھ میں ہوئی ہے، جیسا کہ نسخہ کے آخر میں مندرج ایک منظوم قطعہ (۶) سے معلوم ہوتا ہے، شیرازی نے شیخ کے حالات زندگی کے لیے عربی میں تاریخ حسینی مؤلف کریم الدین حسین مکی کا حوالہ دیا ہے جو بدقسمتی سے اب دستیاب نہیں ہے، یہی حال دقائق الحقائق، تہذیب القرآن (۷) یا حزب الادعیہ مؤلفہ شیخ یعنی بانی مجھر اوران کی اولاد اور مغلیہ عہد کے قاضی امیر مسعود قادری کی فتاویٰ مسعودی (۸) کا بھی ہے، بہرحال شیرازی کی اس تالیف میں جہاں شیخ کے خارق عادات وکرامات اور عقیدت آفریں امور کے بارے میں بہت سارے حوالے ہیں، وہاں تہذیبی وتمدنی اور تاریخی دلچسپی کی بھی بہت سی باتیں ہیں۔

دس باب کے مخطوطہ میں شیخ کی ابتدائی (۹) زندگی، ہندوستان سے باہران کے مساعی اوران کی تعلیم و تربیت کے مختلف دور کے بارے میں بہت سارے معلومات ہیں، مثلاً یہ کہ انھوں نے کون سا نصاب تعلیم اختیار کیا، کن اداروں میں اور کن علماء کی نگرانی میں تعلیم پائی، ان کے عادات و خصائل، ان کی جسمانی (۱۰) شکل وصورت اور پوشاک (۱۱) کی نوعیت کیا تھی،

اسلام سے انھیں کس درجہ والہیت اور گرویدگی تھی اور دوسرے لوگوں اور ملکوں کی زبان (۱۲) میں مہارت حاصل کرنے کا کتنا شوق تھا، اور وہ کون لوگ تھے جن سے عراق سے ہندوستان کے سفر کے دوران وہ متعارف ہوئے اور استفادہ وافادہ کیا، چونکہ یہ چیزیں تاریخ وتمدن کے متعلم کے لیے دل چسپی سے خالی نہیں، اس لیے ضیقِ وقت اور تعداد اوراق کے محدود اصرافیہ کے پیش نظر مضمون نگار مجبور ہے کہ شیخ کے محض چند ایسے واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کرے، جن کا تعلق ان کی زندگی کے اس دور سے ہے، جو ہندوستان میں گذرا۔

پہلی چیز جو کسی کی توجہ مخطوطہ کی طرف مبذول کرتی ہے وہ ہے [کہ] اتنا پہلے چھوٹا ناگپور کی سرحد پر گیا کے ان علاقوں میں جو ہنٹر (۱۳)HUNTER کے عہد تک ''پہاڑیوں اور جنگلوں''، پر مشتمل تھے اور جن میں جنگلی جانور بھرے ہوئے تھے، اسلام کی پرامن اشاعت اور مسلم نو آبادیات کے متعلق ٹھیک ٹھیک حوالہ، مخطوطہ تین راتوں میں بمقام کٹمبا مکمل ہوا جیسا کہ ''اخیر'' میں درج ہے، یہ ایک مقامی باشندہ حکیم منور کے حسب فرمائش لکھا گیا، انہوں نے شیخ کا استقبال کیا تھا، پھر ان کے حلقۂ بگوش ہو گئے ''افلاطون وقت اور ارسطوئے زمانہ'' کے خطاب سے انھیں یاد کیا گیا، مؤلف کو شیخ کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ کٹمبا کے علاقوں میں اپنا کام جاری رکھیں اور جیسا کہ ہم دوسرے ذریعہ (۱۴) سے جانتے ہیں وہ وہیں مدفون ہوئے۔

مسلمانوں سے آباد کچھ دوسری بستیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ان میں ہسپورہ شامل ہے جس کے سردار ملک قاذن ابتداء میں شیخ کے مخالف تھے پھر بعد میں نرم پڑے اور مہوا کے ایک پیڑ کے گرد مہولی نام کا ایک گاؤں بسایا، جہاں شیخ احمد کی خانقاہ واقع ہے، شیخ انجھر کے ایک حلقہ بگوش اور پیرو کار سید سلیمان مشہدی ''خدا کی راہ میں شہید ہوکر'' فوت ہو گئے، ان کا مزار پرانوار پرگنہ اکل میں ہے، جو گیا ضلع کے جہان آباد سب ڈویزن میں واقع ہے۔

یہ محض اسلام کی خاطر تھا کہ حضرت سید محمد نے ہندوستان کا دشوار گذار سفر اختیار کیا، وہ داستانِ الم جس کو موجودہ اورنگ آباد سب ڈویژن کے ایک مہاجر ''خدا پرست اور طویل القامت''

شیخ محمد علی نے بیان کیا ہے، بڑی ہی جگر سوز ہے، انھیں خواب میں حکم مہاجرت ملا تھا، جیسا کہ تذکرۃ نگار ہم کو یقین دلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت سید محمد کے والد سید درویش نے انھیں ہدایت کی کہ وہ ہندوستانیوں کی شکایات سنیں اور ان پر ظلم ڈھانے والوں سے ان کی دادرسی کی خواہش کریں، اور ظالم کو ایمان کے دائرے میں لانے کی کوشش کریں، جس میں اگر ناکامی ہو تو اس کی تباہی و بربادی کے لیے دست بدعا ہوں اور اس سرزمین میں اقامت کریں تاوقتے کہ وہاں کے لوگ ان کی ہدایت سے راہِ حق کو پائیں، انھیں اس بات کی بھی ہدایت ملی تھی کہ وہ ایک بہتر نسب اور بالخصوص سید احمد قادری کے خاندان میں شادی کریں جو قبل ہی ہندوستان منتقل ہو چکے تھے، شیخ نے اپنے چالیس رفقاء کے ساتھ ۸۴۶ھ/۱۴۴۲ء میں گھوڑوں اور اونٹوں کی سواری پر پہاڑ اور وادی، صحرا اور چٹیل میدان سے بھرا ہوا بغداد سے بہار تک کا پورا راستہ سات ماہ گیارہ دنوں میں طے کیا، سفر کے دوران وہ قندھار (۱۵) اور ملتان (۱۶) سے ہو کر گزرے اور دو ہفتہ کے لیے سرہر پور (یوپی) میں بھی ٹھہرے، جہاں انھوں نے بی بی پیارن سے شادی کی، آخر وہ جیون نامی ایک ظالم راجہ کے ایک علاقہ میں پہنچے، جہاں شیخ محمد علی کے خاندان پر ظلم وستم کیا گیا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹا ناگپور سے کول اور سنتھال، منڈا، اور اوراؤں، چیروا اور کھر یا کسی وقت بہار کے مختلف حصوں پر برسر اقتدار اور حکومت کرنے والے قبیلے تھے، بوکانن کی منضبط کردہ روایتوں کے مطابق کول راجاؤں کی عملداری کسی وقت بیجناتھ دھام سے لے کر بنارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور انگریز ماہرین آثار قدیمہ کنگھم وغیرہ نے کہا کہ جنوبی بہار میں بہت سے قریئے ''ناہموار قلعوں کے ساتھ یہاں وہاں نقطوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، جن کی علاقائی روایتیں متوسط ہند کے کول یا جنگی قوموں کی طرف منسوب تھیں'' ان ماہرین نے کول سرداروں کے تین بڑے بڑے قلعوں کے نشانات کابر، کٹمبا یا رام گڑھ اور شاہ آباد میں پائے، اس سلسلے میں علی شیر شیرازی نے بھی ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے، انہیں بتایا گیا ہے

کہ وہ جگہ جہاں شیخ وارد ہوئے اور جو بعد میں نرہنا کہلائی، ایک نشیبی زمین تھی جس کے نزدیک ایک ندی (رود) بہتی تھی اور یہ جنگلی جانوروں اور حشرات الارض کی آماجگاہ تھی۔ سرحد پر واقع ایک عام قلعہ بند جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ محمد علی چلا اٹھے، یہی اس ظالم کا قلعہ ہے جس نے ہم لوگوں پر ظلم ڈھایا اور ہمارے بھائیوں کو اہل وعیال سمیت شہید کیا، کیونکہ ہمارا ایک رشتہ دار یہاں تک آگے بڑھ گیا تھا کہ اس نے اس ظالم سے مباحثہ کیا اور اعلان کر دیا کہ بت اور بت پرستی مہمل اور لغو باتیں ہیں، اس پر قلعہ کے مالک نے ہمارے تمام رشتہ داروں کو ہلاک کر دیا، میں نے بہر حال جنگ جاری رکھنے کا انتظام کیا اور ہر شخص کے سامنے اپنا المیہ دہرایا مگر کوئی بھی میری مدد کے لئے تیار نہیں ہوا"۔

شیخ اس ظالم کے پاس پہنچے، جس کا نام جیون تھا اور جو اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کو ہندوستان میں کھولیا کہتے ہیں، انھوں نے فرمایا "تم نے مسلمانوں کو کیوں قتل کیا؟ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ جو بہت بڑا منتقم ہے، تمہارے لیے بہتر ہے کہ امن کا راستہ (اسلام) اختیار کرلو، ورنہ تمہیں سزا بھگتنی پڑے گی،" کھولیا سردار نے غصہ میں آپے سے باہر ہو کر کہا تم کو اس سے کیا کام؟ چلے جاؤ شیخ نرہنا کے ویرانے میں آئے اور عذاب کے لیے خدا سے دعاء کی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے قلعہ کی دیواریں ڈہ گئیں اور جیون اپنے خاندان سمیت ملبے میں دب کر مر گیا، جیون کھولیا کا بھائی کرموں کھولیا جس کا وہاں سے ایک کوس دور ڈمرا پر زبردست اقتدار تھا، شیخ کے درپئے آزار ہوا، مگر ان کا کوئی نشان نہ پا کر تعاقب سے باز آیا۔

شیخ نے ریاضت کا سلسلہ جنگل اور کوردہ علاقوں میں جاری رکھا جہاں بہت سے خوارق عادات دیکھنے میں آئے۔ جس وقت وہ جنگل میں تھے تو ایک گوالا مسلمان ہوا، اس کو مذہبی تعلیم ہندوی میں دی گئی اور اس کا نام صادق رکھا گیا، وہ شیخ اور ان کے پیروکاروں کو دودھ مہیا کرتا تھا، ایک دن اس نے حاجی خاں اور جامی خاں دونوں بھائیوں کو بری حالت میں اور ایک دریا کے کنارے اپنی قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے دیکھا، اس نے ان لوگوں کا حال معلوم کیا، انہوں

نے بتایا کہ وہ ''دریا خاں حاکم بہار'' (۱۷) کے کارندے ہیں جس نے انھیں سہسرام بھیجا تھا کہ وہاں کے ایک تاجر سے اس کے لیے ایک گھوڑ خرید لائیں، گھوڑا جس وقت ندی پار کر رہا تھا تو اتفاقاً وہ ڈوب کر مر گیا، وہ اپنے آقا اور مالک دریا خاں سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوئے جس کے بارے میں ان کا بیان تھا کہ وہ بے رحم اور مزاج کا بہت سخت آدمی ہے، وہ دونوں شیخ کے پاس لائے گئے جنھوں نے ان پر رحم کھا کر گھوڑے کی بازیابی کے لیے کامیابی کے ساتھ خدا سے دعا کی، لیکن شیخ نے انہیں تاکید کر دی کہ اس واقعہ کا ذکر والیٔ بہار سے نہ کریں ورنہ گھوڑا پھر ضائع ہو سکتا ہے، مگر کسی طرح وہ اس تاکید کا لحاظ نہیں کر سکے جس کے نتیجے میں پیشگوئی کے مطابق دستیاب شدہ گھوڑا اچانک مر گیا، لیکن بہار کا حاکم تمام واقعات سے مطلع ہو کر شیخ کی کراماتی طاقت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے طرح طرح کے تحائف بھیجے جو قبول کیے گئے۔

واضح ہو کہ اس دریا خاں لوہانی خاص خیل نے جو سکندر لودی کی طرف سے پٹنہ و بہار کا حاکم مقرر ہوا تھا اور جس نے ابراہیم لودی سے زمانے میں ایک مطلق العنان آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی اور جس کے بیٹے نے سلطان محمد کا خطاب اختیار کیا اور خطبہ وسکہ اپنے نام کا جاری کیا، شیخ محمد علی کی مصیبتوں پر کوئی توجہ نہیں کی تھی، اس لیے کہ اسے اپنے حلوے مانڈے سے غرض تھی، مذہبی جھگڑوں میں پڑنا دوسرے حاکموں کی طرح سے مصلحت کے خلاف معلوم ہوا تھا لیکن مسلمان تھا، اس لیے شیخ کی بزرگی کا حال سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا، جس جگہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا، وہاں پر اس نے ایک مسجد ایک خانقاہ اور ایک محل (کوشک) بنانے کا حکم دیا۔

شیخ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، خاص کر اس کے بعد جبکہ بہار کے طاقتور حاکم کی توجہ ان پر مبذول ہوئی، لوگ جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے۔ اس لیے انھوں نے اپنے پیرو کاروں کو وہ جگہ چھوڑ کر ایسے ویرانہ میں چلنے کی ہدایت کی، جو لوگوں کی رسائی سے دور ہو، صادق اس فیصلہ کو سن کر متحیر ہوا اور اس نے ان سے سوال کیا، خواجہ! آپ ایک ایسے آراستہ مسکن کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟ آپ نے صعوبت کا زمانہ تو یہاں گزارا اور جب کچھ آرام کی صورت پیدا ہوئی تو بہتر مقامات میں جانے کا قصد فرما رہے ہیں'' وہ ایک ہندی نژاد اور کم سواد تھا، اتنا ذہین و

تیز فہم نہیں تھا کہ امور کی حقیقت کو سمجھ پائے، حضرت شیخ نے اس کو ہندوی ہی میں جواب دیا'' نہ مانا جیوا نیہار ہنا ہوا (میرا دل یہاں رہنے کو نہیں چاہتا)۔اسی وقت سے وہ جنگل جھرنا سمیت نر ہنا کہلانے لگا،افسوس یہ ہے کہ آج اس کو سب لوگ فراموش کر چکے ہیں۔

کچھ مہینے بعد شیخ موصوف انجھر تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے،ایک دن کرمو کولھیا کے کانوں میں مؤذن کی اذان کی آواز پہنچی تو اس نے اس کے بارے میں دریافت کیا،اس کو بتایا گیا کہ وہی شیخ ہیں جن کا تعاقب اس نے بالخصوص دریا خاں حاکم بہار کے ڈر سے چھوڑ دیا تھا، ہوسکتا ہے کہ عنقریب ایسے حالات پیدا ہو جائیں،جن کا نتیجہ آخر کار اس کی جنگی علاقوں کی سرداری کے لیے نقصان کی صورت میں برآمد ہو'' یہ سن کر اس نے کفار کی ایک جماعت کو شیخ اور ان کے پیروؤں کی ہلاکت کا حکم دے کر بھیجا،لیکن وہ لوگ یا تو برق و باد کی زد میں آ گئے یا منتشر ہو کر رہ گئے،تب اس نے اپنے بیٹے چھتّر کو بھیجا جس کے حکم سے شیخ پر ٹھیک اس وقت پتھر پھینکے گئے جبکہ وہ عبادت میں مشغول تھے،ان کی پیشانی کو بری طرح چوٹ آئی،اس واقعہ نے شیخ محمد مجذوب کو اتنا مشتعل کر دیا کہ انھوں نے چھتّر کو ہلاک کر دیا اور اسے جھرنے کے نزدیک دفن کر دیا،اس کے ساتھی جو ہمت ہار چکے تھے، بھاگ کھڑے ہوئے،اس واقعہ نے خود کرموں کولھیا کو ہی میدان میں لا کھڑا کر دیا،کرموں اور شیخ حسن کے درمیان کچھ سوال و جواب کے بعد جب کول سردار نے شیخ کو مارنے کے لیے تلوار کھینچی تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اپنے ہی ہتھیار سے آپ ہلاک ہو گیا۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے واقعات بھی مندرج ہیں،مثلاً شیخ احمد کی دعوت پر شیخ کا ہسپورہ تشریف لانا،شروع میں ملک قاذن کی طرف سے ناقدری اور سوئے ادبی کا مظاہرہ اور آخر کار اس کا اظہار تاسف دندامت وغیرہ، جو شیخ کے نرہنا آنے کے سال بھر کے اندر ہی رونما ہوئے۔شیخ حسن کا جن کی ذات کو ان تمام امور میں بہت دخل تھا اور جو ۸۴۷ھ میں شیخ کی منکوحہ (بی بی پیارن) کو لانے کے لیے سرہر پور یو پی بھیجے گئے تھے،سرہر پور میں انتقال ہو گیا،اور وہ

وہیں مدفون ہوئے، بی بی پیارن اپنے بھائی سید حسین کے آدمیوں کی نگرانی میں انجھر پہنچیں۔

ایک مرتبہ شیخ کے دل میں خیال گذرا کہ میں جتنا بھی عزلت کی زندگی گزارنا اور ہجوم سے دور رہنا چاہتا ہوں اپنے آپ کو خدا کے سامنے مجبور پاتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی کچھ اور ہے، بنگال کے ایک مرید شیخ مسعود نے طلائی مہروں کی ایک تھیلی بھیجی جس کو فوراً ان کے پیروکاروں میں کپڑے لتے اور دیگر اخراجات کے لیے تقسیم کر دیا گیا، حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ یونہی جاری رہا، مثلاً عثمان خاں اور میاں خاں کا جبکہ وہ شیخو پورہ سے کشتی پر آرہے تھے، پانی میں ڈوبنے سے حیرت انگیز طور پر بچ جانا اور بہار شریف کے ایک تعلیم یافتہ شخص بھیکن بہاری کو خواب میں یہ ہدایت ملنا کہ وہ شیخ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دولڑکے جلال الدین اور معین الدین کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہوں، یہ دونوں لڑکے سلسلہ وار ۸۴۹ھ اور ۸۶۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، سب سے چھوٹے بیٹے نظام کی صرف ایک دختر تھیں، جن کے بیٹے سید قتال کی تاریخ پیدائش ۹۰۳ھ ہے، معین الدین کے بیٹے سید مظفر تھے اور ان کے بیٹے سید محمد قادری تھے جن کا سال تولد ۹۸۰ھ ہے، شمس الدین اور سید حسب ابن سید مظفر ۸۸۹ھ اور ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے، جلال الدین کے بڑے بیٹے ۸۶۵ھ میں اور چھوٹے بیٹے سید سلیمان ۸۸۹ھ میں تولد ہوئے۔

عہد وسطی تو ہم پرستی کا زمانہ تھا، تمام غیر ممکن اور غیر فطری چیزوں پر لوگ اعتقاد رکھتے تھے، اس لیے اگر مخطوطہ میں ہم اس قسم کے واقعات دیکھتے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، لیکن جملہ نا قابل اعتبار چیزوں سے قطع نظر اوپر دیئے ہوئے تفصیلی جائزے میں اگلے مسلمانوں کی سرگرمی سے متعلق بہت ہی قیمتی معلومات بھی ہیں، یعنی یہ کہ انھوں نے کس طرح جنگلی جانوروں سے بھرے ہوئے اجنبی مقامات میں کول بھیل قدیم اقوام (جنھوں نے مورچہ بندی کی تھی اور خطرناک جنگلوں اور نا قابل دخول علاقوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا) کے نیم ہندو سرداروں کے درمیان اپنے اعتقادات کی اشاعت کی، جیون کرموں اور چھتر کولھیا سرداروں کے

نام تاریخی انکشافات ہیں، ان قوموں کو اپنے ہم مذہبوں سے پہنچی ہوئی بدسلوکی کے معاملہ میں مقامی مسلم حاکموں نے کسی طرح غیر جانبداری کا ثبوت دیا اور آخر میں مزید بہت ساری باتوں میں سے ایک اہم بات یہ کہ ان باشندوں کو سمجھنے اور ان کے دل میں اتر جانے کے لیے ان کی زبان (۱۸) کو سیکھ کر ان ہی کی بولی میں اپنے خیالات اور اعتقادات کو ان تک پہنچانے کا جو طریقہ با کمال صوفی مبلغوں اور داعیوں نے اختیار کیا وہ کتنا موثر تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، شیخ کا ہندی بولی میں لفظ اینہا (۱۹) کا استعمال کرنا جو بہار کے دیہی علاقوں میں اب تک مستعمل ہے، خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

لسانی اعتبار سے ہندوستانیوں کی فوقیت کے سلسلہ میں شیخ نے اپنے سوانح نگار کے ایک سوال کا جو جواب دیا ہے اس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہیں، ان کے اس قول سے کوئی اتفاق نہیں کرے گا کہ آدم جو سب زبان جانتے تھے جنت سے لنکا (سرندیپ) بھیجے گئے تھے جو ہندوستان کا ایک حصہ ہے، اور یہ کہ صحف آدم کا بھی ہندوی زبان میں نزول ہوا تھا وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ ایک ایسی روایت ہے جس کو ان کے علاوہ دوسروں نے بھی نقل کیا، امیر خسرو اپنی مثنوی نہ سپہر میں کہتے ہیں ''ہندوی لوگ جس زبان کو چاہیں آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عبور حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی مادری زبان ہوگی، لیکن دوسرے جو ہندی سیکھنا چاہیں تو ان کے ساتھ یہ قصہ نہیں''۔ کچھ ایسے ہی خیالات شیخ اجھر کے بھی تھے جس کا اظہار علی شیر کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا، مذکورہ تین کول سرداروں اور دریا خاں لوہانی حاکم بہار سے متعلق جو باتیں مان لی گئیں وہ بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

مناقب کے مولف نے شیخ اجھر کی طرح طویل زندگی پائی اور شیخ کے ساتھ آٹھ مرتبہ طواف کیا، انھیں کے ساتھ ہندوستان آئے اور ان کے بعد تک زندہ رہے، اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ ان کی روحانی ہدایت سے ہم کو روشناس کراتے ہیں، بلکہ ان کے لڑکوں، لڑکیوں، پھر ان کی

اولاد کے متعلق اور بہت سارے احباب وارشد متبعین مثلاً شیخ حسن مدنی القریشی، شیخ محمد مجذوب، سید علاء الدین تبریزی، ملک تاج الدین (جو عرف عام میں کھنڈا شیر کہلاتے تھے، کیونکہ وہ تلوار کی طرح زبان کے تیز تھے) سید سلیمان مشہدی، سید علی مانکپوری، سید شمس الدین حسینی وغیرہ کے بارے میں بھی بہت سے معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

حواشی:

(۱) یہ نام فارسی مخطوطہ رسالہ جوادیہ میں نہیں ہے، اس رسالہ میں کچھ اہم واقعات کے ساتھ ساتھ شجروں کے نقشے ہیں، غالباً مؤلف نے اس کو بوکانن سے پہلے لکھا ہے۔

(۲) عالمگیر اول کا ایک فرمان مورخہ ۲/ذی الحجہ چہاردہم سال جلوس کی رو سے سید عبدالرسول کے فرزندوں، ماتحتوں، مریدوں اور ان سے وابستہ محتاجوں اور مسافروں کے لیے پرگنہ دنوار سرکار شاہ آباد کے گاؤں محمودنگر جو گیا میں رسول پور کی دخلی کے ساتھ ایک جاگیر بطور مدد معاش منظور ہوئی، سید عبدالرسول محبوب سبحانی کی اولاد اور شیخ انجھر کے بڑے صاحبزادے کے شاید ایک پوتے عبداللہ کے لڑکے تھے۔

(۳) ان کا دلچسپ حال رسالہ جوادیہ میں دیکھئے، کلکتہ آفس کے مہر شدہ محضر نامہ ۱۸۳۳ء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکبر کی طرف سے گیا ضلع کے اورنگ آباد سب ڈویزن میں پرگنہ انجھا اور منورہ کے قاضی نہایت کبر سنی میں مقرر ہوئے تھے، راقم السطور کو ایک سند مؤرخہ ۲۰/محرم ۹۸۷ھ ملی، جس میں تین مہریں تھیں، ایک تو نہایت واضح ہے، دو مایقرا تھیں، ان مہروں کے اوپر حاشیہ کی عبارت بڑی اہم ہے۔ ''اللہ اکبر بموجب تصدیق و تنقیح مرحومی قاضی یعقوب قضاوحکایت واراضی مدد معاش بہ مشار الیہ (میران سید سلیمان اہل علم اولاد حضرت غوث الثقلین امیر سید محی الدین) و فرزندان مقرر و مسلم دانند''۔ (۲) ما مالک الملک بموجب تصحیح و تصدیق مرحومی قاضی یعقوب بہ مخدوم زادہ ... قضا و خطابت پرگنات مذکور (پرگنہ انچھ و پرگنہ منورہ من اعمال سرکار و صوبہ بہار) در وجہ مدد معاش معہ فرزندان موافق حکم جہاں مطاع مقرر دانستہ بتصرف آرند (۳) مالک الملک بنوشتہ میر حیدر جہاں عمل نمائند۔

قاضی یعقوب اور میر حیدر جہاں کی دقیق شخصیت پر ابوالفضل اور عبدالقادر یعنی شہنشاہ اکبر کے مورخوں کے بیانات سے روشنی پڑتی ہے، حاجی پور کے ماموں بھانجے کے روضہ کے مجاور شیخ حسن کے نام مہاراجہ مان سنگ کچھواہہ صوبیدار بہار نے ۹۹۹ھ میں ایک سند عطا کی تھی، اس میں بھی ''بموجب اسناد حکام سابق'' اور ''بہ تصدیق و تصحیح

مرحومی صدارت پناہ قاضی یعقوب'' کی عبارت مندرج ہے،اس سند کا عکس بنگال پاسٹ اینڈ پرزنٹ کلکتہ میں راقم السطور کے ایک مقالہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، قاضی یعقوب، قاضی فضیلت کے صاحبزادے تھے اور قاضی فضیلت کڑہ مانک پور کے رہنے والے تھے،جنہیں شیر شاہ نے بنگال و بہار کا کچھ دنوں کے لیے حاکم مقرر کیا تھا، ان کی سختی اور شرعی موشگافیوں کی بدولت لوگوں نے انھیں قاضی فضیحت کہنا شروع کیا۔

(۴) رسالہ جوادیہ کے نسخہ میں خاندان کے ایسے بہت سے افراد کی ایک فہرست ہے جو قاضی القضاۃ اور نائب قاضی کے عہدوں پر مامور ہوئے۔

(۵) قاضی کے جس عہدے پر وہ مامور ہوتے تھے اس کی رو سے وہ اس قسم کے دستاویزات پایا کرتے تھے،اور شاید ان میں سے کچھ واپس نہیں کیے جاتے تھے،ان دستاویزات میں (۱) شاہ جہاں کا ایک فرمان ۱۰۴۳ھ کا ہے جو سرکار بہار کے بلیا پرگنہ میں بی بی ماہ کوچ، محمد عاصم وغیرہ کو مدد معاش بطور جاگیر دینے کے سلسلہ میں ہے (۲) شاہ جہاں کا ایک فرمان مرقومہ ۲۹ سال جلوس یا ۱۰۶۵ھ ہے جو راجہ جسونت سنگھ کے نام اس کے بھائیوں کے ساتھ ایک قطعہ زمین کے لیے باہمی مناقشہ کے سلسلے میں ہے (۳-۴) محمد شاہ (۳۰ جلوس) اور عالمگیر دوئم (سال ششم) کی طرف سے ہمارے شاہجہاں پور پرگنہ میں قاضی مقرر کرنے کے سلسلہ میں دو سندیں ہیں۔

(۶) یہاں یہ سطور ہیں:۔

گرفتم قلم را بہ بستم دولب   نوشتم مناقب ہم اندر سہ شب
تو از حرف غافل و حرفِ زماں   بکن سال تاریخ گفتن عیاں

لفظ شب تین بار کی عددی قیمت ۹۰۶ بشمول ۴۰ ''م'' کے عدد ہیں، جو ۹۴۶ ہوتی ہے، حرف زماں ''فاعل'' سے مل کر سال تاریخ بنا ہے۔ مناقب محمدی کے چھ صفحات کی تحریر شیخ کی خودنوشت جو منورہ کے قانون گو چند اس کے یہاں بطور ذخیرہ محفوظ ہے، ملاحظہ ہو رسالہ جوادیہ۔

(۷) سنہ کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۂ مجد۔

(۸) کہا جاتا ہے کہ خاندان کے ایک فرد کے پاس یہ نایاب چیز موجود ہے لیکن وہ کسی کو دیکھنے کا موقع نہیں دیتے، خاص خاص موقع پر اپنے معتقدین کو زیارت سے شرفیاب فرماتے ہیں، ناچیز کا خیال ہے کہ اس کے مطالعہ سے کام کی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

(۹) بغداد میں ۸۱۶ھ میں پیدا ہوئے، محض ۲۳ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور ایک جید عالم ہو گئے، ۲۷ برس کے تھے کہ دعوت خلق اللہ پر مامور ہوئے، کافی ریاضت و مجاہدہ کے بعد رشد و ہدایت کی سرگرمیوں میں مشغول ہوئے۔

(۱۰) محاسب وخواست با ضعفا وعلماء وفقراء ومساکین و بیماران داشتے، اگر توانگرے بر رسیدے بہ او نیز التفات فرمودے، لاکن بکم توجہی، نذور وہدیہ کہ کسے آوردے بغرباء ومساکین دادے وموافق احتیاج برائے اتباع خود نیز ازاں برگرفتے ،فعل غیب روانہ داشتے ،کم گفتار، کلام والفاظ لغات عربی وفارسی سخن گفتے ، در سیاحت وسفر ہرکجا کہ رفتے فی الحال درکلام مثل مردمان آئند ماء درآمدے، چوں بہ سرحد نہ رسید اما مشائخان سندونان ایشاں رفت ، وتلفظ انران کماینبغی نہ کرد، جسیم البدن ہموار بلند بالا، پیوستہ شکم، فراخ پیشانی، باریک کشادہ ابرو، بلند بنی، کشادہ نتھنے، عریض ودراز محاسن سفیار، جس میں انتقال کے وقت خال خال سیاہ بال ملے ہوئے تھے، عریض الصدر (چوڑا سینہ) ہاتھوں کی انگلیاں لمبی، آنکھیں اور کان متوسط اور صاف چہرہ۔

(۱۱) چوتھا باب۔ ایک لاطیہ ٹوپی پہنتے تھے جو سر میں چپکی رہتی تھی، اور جس کا رنگ سفید یا سبز ہوا کرتا تھا، ”کلاہ ناشرہ کہ از سر قدرے بلند تر باشد“ سے تنفر تھا، اس لیے کہ اسے کافروں کا پہناوا سمجھتے تھے، اسی طرح سرخ رنگ سے بھی تنفر تھا، لاطیہ پر ایک سفید عمامہ جس میں گرہیں پڑی رہتی تھیں اور جو شکل میں گول تھا، جسم کے گرد ایک سفید پیراہن یا لمبا چوغہ کرتے کے ساتھ اور اس پر کالے اون کا ایک کمبل، موسم سرما میں استعمال کرتے تھے۔

(۱۲) چھٹا باب گفتگو اور زبان پر ہے۔ اپنے سفر کے دوران جہاں کہیں بھی وہ گئے، انھوں نے علاقائی بات چیت کو اپنایا، وقت ضائع نہیں کیا .... ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں وہ اس قابل تھے کہ ہندی مشائخ سے ان کی زبان میں صحیح تلفظ کے ساتھ گفتگو کرسکیں۔

(۱۳) HUNTER W W. A STATISTICAL ACCOUNT OF BENGAL B.P &P.

(۱۴) رسالہ جوادیہ۔ (مولانا حکیم محمد شعیب صاحب قبلہ پھلواری کی وساطت سے)

(۱۵) قندھار کا حاکم پہلے ہی نصیر الدین تبریزی کی زبانی شیخ کی شہرت سن چکا تھا، وہ اور وہاں کے جید عالم شیخ منصور نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

(۱۶) مخدوم سید انگلی سراج الملک والدین کے واسطے سے شریف کہلایا، مخدوم کے تین فرزندوں میں سے ایک سلیمان مشہدی نے شیخ کے سفر ہندوستان میں ساتھ دیا۔

(۱۷) سکندر لودی اور اس کے لڑکے اور جانشین کا ہمعصر بہار کا دریا خاں نوہانی خاص جس کا نام شیر شاہ کے ساتھ ہلسہ کے یک گنبدی مزار کے کتبہ میں موجود ہے، یہ مزار حضرت جمال الدین جمن جنتی مرید خاص حضرت بدیع الدین مدار قدس سرہما العزیز کا ہے، جن کے متعلق B.P & P کلکتہ میں راقم السطور کا ایک مقالہ شائع ہو چکا ہے،

دریا خاں لوہانی کا ایک دوسرا اہم اور نادر کتبہ بہار شریف کے محلّہ دائرہ میں حضرت فضل اللہ گوشائیں کے مزار کے شمالی دیوار میں سید حسن صاحب دائرہ دی اور راقم السطور نے موٹے پلسٹر کو صاف کر کے نکالا، سب عبارت تو بڑھی نہ جاسکی کہ پتھر ٹوٹا اور ہنوز ناصاف ہے لیکن ضیاء الدین ڈیسائی صاحب کی مدد سے کچھ کام کی بات معلوم ہوئی، اس کتبہ سے پتا چلتا ہے کہ ۹۰۱ھ میں حاجیخاں نے ''دور مشرقی'' کی بنیاد ڈالی، یہی حاجی خاں کا نام بدایوں کے امراء کی فہرست میں ملتا ہے ''بہار آمد بدست او'' کی عبارت ہی پڑھی جائے گی، اور سب سے بڑھ کر یہ شعر ہے:۔

''وزیر ملک دیں آرائے دریا خاں فریدوں۔ سپہر ملک وملت رازنوحانی بود محورِ''

ملاحظہ ہو ناچیز کا مقالہ بہار لودی سلاطین دہلی کے عہد میں، (جرنل بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ)

(۱۸) اس سے پہلے کہ شیخ امجھر نے ہندوستان کو اپنا گھر اور مستقل جائے سکونت قرار دیا اور ملکی لوگوں کی زبان سے اس قدر آشنائی حاصل کی کہ وہ خیالات اور مذہبی اعتقادات کے تبادلے کا ذریعہ بنے، اردو یا ہندوستانی زبان کی ملی جلی شکل کو آگے بڑھانے میں بہاری صوفی مشائخ کے کارناموں کی قدرے جھلک دکھائی دیتی ہے، بہار شریف کے مشہور ومعروف بزرگ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ العزیز کو ہم اس طرح کے فقرے استعمال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ''باٹ بھلی بر سانگری، دیس بھلا پر دور، '' یہ فقرہ ان کے ملفوظ معدن المعانی میں ہے جسے ان کے مشہور خادم شیخ بدر زین عربی نے ۱۳۵۷ء یا ۱۳۵۸ء میں ترتیب دیا ہے، آپ کے خلیفہ اجل وجانشین مولانا مظفر شمس بلخی کے مکتوبات میں تو متعدد ہندی دوہے آئے ہیں، ان کا مقولہ آئین رات بھائیاں حن کارن دھیا کہائیاں مونس القلوب مؤلفہ حضرت احمد دریا بلخی میں مندرج ہے، مکتوبات صدی کے عصری نسخہ کے حاشیہ پر بھی حضرت مولانا مظفر بلخی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہندی فقرہ قابل زیارت ہے۔ یہ نادر ومتبرک نسخہ خانقاہ فتوحہ میں موجود ہے۔

(۱۹) مخطوطہ میں اس قسم کے ہندی الفاظ کی موجودگی نمایاں ہے، مؤلفہ علی شیر شیرازی دیسی زبان کو سکھنے میں دقت محسوس کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ اپنے روحانی پیشوا سے عرض کیا ''تمام زبانوں میں ہندوستانی الفاظ کے حروف تعداد میں سب سے زیادہ ہیں، غیر ہندوستانی ان کے حروف کا تلفظ ان کی طرح نہیں کر سکتے، ہم کوشش بسیار کے باوجود اس میں خوش کلامی کی معراج کو پہنچنے کے قابل نہیں ہوتے، اس کا سبب کیا ہے؟'' سوال سے زیادہ دلچسپ جواب ہے جو انھیں ملا۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ محمد یونس ریسرچ اسکالر ماخوذ از مقالات سید حسن عسکری مرتبہ سید محمد حسنین بہار اردو اکیڈمی پٹنہ)۔

وصلی حضرت غوث الاعظم اور فتاویٰ مسعودی

مولانا سید عبدالرؤف ندویؒ

ہندوستان میں جو بزرگانِ قادریہ وقتاً فوقتاً آتے رہے، ان میں ایک بزرگ حضرت سیدنا(۱) محمد القادری البغدادی بھی ہیں، جو موضع امجھر ،ضلع گیا واقع صوبہ بہار میں آسودہ ہیں، اور وہاں ان کی نسل مبارک اب تک باقی ہے۔

حضرت کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے، اسی نسبت سے آپ کو قادری بھی کہتے ہیں بغداد آپ کے آباؤ اجداد کا وطن مالوف اور آپ کا مولد ومنشا ہے، چند سال تک مکۂ معظّمہ میں اقامت پذیر رہے ہیں، اس کے بعد آپ نے موضع مجھر میں (۲) سکونت اختیار کی اور اسی جگہ مدفون ہوئے (۳)، آپ کی ولادت ۸۱۰ھ میں اور وفات ۹۴۰ھ میں ایک سو تیس برس کی عمر میں ہوئی ہے، مختلف دیار وامصار اور متعدد اساتذۂ وقت سے قرأت وحفظِ قرآن، ادب، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر وتصوف کی سندیں حاصل کر کے ۲۳رسال کی عمر میں ۱۶رسال کی کامل جہد وریاضت کے بعد علوم وفنون میں کامل دست گاہ بہم پہنچائی اور شہرۂ آفاق ہوئے۔ (۴)

بلادِ ہند میں تشریف آوری کی وجہ کتبِ تواریخ رسالہ شیخ علی شیر شیرازی و رسالہ قاضی جواد قادری ونسب نامۂ غوثیہ وغیرہ میں یوں پائی جاتی ہے کہ سلطنتِ سادات کے زمانہ میں جب کہ محمد شاہ بن سید مبارک شاہ تختِ حکومت پر متمکن تھا، اطراف وجوانبِ ہند میں سخت ابتری اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی کہ ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء (۵) میں شیخ علی ہندی ایک بزرگ موضع حسن پورہ کے رہنے والے جو مرد صالح، ذی علم وعارف باللہ تھے، روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کی فریاد

لے کر پہنچے کہ مسلمانانِ صوبہ بہار کو کولہ راجہ کرموں وجیون کے ہاتھوں ارکان مذہبی کے ادا کرنے میں سخت اذیت پہنچتی ہے، شیخ علی ہندی کی اس فریاد پر حضرت سیدنا امیر محمد قادریؒ کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ وہ بغداد سے فوراً ہند کی طرف روانہ ہوں اور نسلاً بعد نسلٍ وہیں قیام فرمائیں۔ حضرت موصوف اس بشارت پر سفر ہند کے لیے کمر بستہ ہو گئے، اور چالیس درویشوں کے ساتھ مع چند تبرکات کے جو حضرت کے جد اعلیٰ مدینہ منورہ سے ہمراہ لائے تھے، اپنے وطن مالوف بغداد سے ہند کو روانہ ہوئے اور موضع نرہنہ تال پرگنہ انچھا جہاں کولہ راجہ مقیم تھا پہنچ کر بامدادِ الٰہی و بہ برکتِ بزرگانِ دین اس پر شاندار فتح پائی، وہاں چندے مقیم رہ کر موضع انجھر شریف میں جہاں کی آب وہوا خوش گوار معلوم ہوئی ٹھہرے (۶) قاضی سید محمد جواد صاحبؒ نے جو ۱۱۴۸ فصلی میں عہدۂ قضا مامور تھے حضرت سیدنا کی اولاد کا نسب نامہ اپنے عہد تک کا مرتب فرمایا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا کے پدر محترم سید درویش محمد قادریؒ نے ہندوستان روانہ فرمانے کے وقت حضرت موصوف کو چند چیزیں بطورِ سند وتبرک عطا فرمائیں، اُن عطیات میں حضرت غوث الاعظمؓ کی وصلی مبارک بھی تھی۔

وصلی:

وصلی موصوف سلسلہ بسلسلہ حضرت سیدنا کے پوتے قاضی سید سلیمان (۷) صاحب قادریؒ کے اولاد واحفاد میں محفوظ چلی آتی ہے، چنانچہ ہر سال گیارہویں کی تقریب پر اس کی زیارت ہوتی ہے، بندہ کو مدتوں سے اس قرۃ العین کے دیدار کا شوق تھا مگر وقت موعود پر نہ پہنچنے کے سبب محروم رہ جاتا تھا، اب کے غیر موعود وقت ۸ر فروری ۲۶ء کو عالی جناب مولوی سید شاہ عبدالرشید صاحب قادری (۸) کی معیت ورفاقت میں اس کا دیدار نصیب ہوا، وصلی مذکور کی کیفیت یہ ہے کہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بخطِ نسخ جلی حرفوں میں یہ ناصحانہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

زینوا مجالسکم بذکر اللّٰہ تعالیٰ من غفور الرحیم

اور فتاویٰ مسعودی کے صفحہ اولین سے چسپاں ہے، قدامت و کہنگی صورت سے ظاہر ہے، بایں ہمہ حروف صاف اور روشن ہیں۔

فتاویٰ مسعودی:

قاضی سید شاہ مسعود(۹) صاحب قادری، پرگنہ منورہ میں عہد جہانگیری میں عہدۂ قضا پر مامور تھے، آپ قاضی سید سلیمان صاحب کے نورِ نظر اور حضرت سیدنا کے پر پوتے ہیں، ۷۹۹ھ میں پیدا ہوئے، اپنے پدر محترم اور دیگر اساتذۂ فن سے علوم ظاہری و باطنی سے بیس برس کی عمر میں کامل فراغت حاصل کی، تحصیلِ علم کے بعد تصنیف وتالیف کا شوق ہوا، متقدمین ائمہ کے فتاویٰ کا مطالعہ شروع کیا اور مستند فتاویٰ کو پیش نظر رکھ کر جس کی فہرست کم وبیش پچاس ساٹھ تک پہنچتی ہے، ایک جدید فتاویٰ کی تدوین وتالیف کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائی، پوری جدوجہد اور کمالِ حزم واحتیاط کے ساتھ پندرہ ہزار دوسوبیس فتاویٰ درج کر کے زبان فارسی میں یک مستند فتاویٰ کی تدوین وترتیب فرمائی، جو آج فتاویٰ مسعودی کے نام سے مشہور ہے، ۳۵؍سال کی عمر میں ۱۰۳۲ھ میں تدوین وتالیف سے پوری فراغت حاصل کی، ہنوز یہ فتاویٰ محفوظ اور غیر مطبوع ہے، اگرچہ امتدادِ زمانہ سے بوسیدگی اور کہنگی اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ آخریں[کذا] اوراق منشر اور نذرکرم ہوتے جاتے ہیں، تاہم صاف اور مایقرء ہیں، تقطیع اوسط، خط نستعلیق، واضح اور جابجا نسخ بھی ہے، صفحات چند ہزار کے قریب ہیں اور ہر صفحہ میں کم وبیش ۲۷؍اور ۲۵؍سطریں ہیں، بدیں وجہ جلد نہایت ضخیم وجحیم ہوگئی ہے، افسوس ہے کہ سالانہ زیارت کے سوا اور کوئی مصرف اس سے نہیں لیا جاتا ہے، اور نہ طبع ونقل کی اجازت ہے، اس لیے اس کے معدوم ونا پید ہوجانے کا اندیشہ ہے، جابجا سے فتاویٰ پڑھے گئے، بے شبہ اپنے طرزِ استدلال اور استشہاد کے لحاظ سے فرد ویکتا اور قدامت کے اعتبار سے قابلِ قدر ہے۔

حواشی:

(۱) آپ کے متوسلین اور اولاً وعموماً سید امیر اور سیدنا کہتے ہیں۔

(۲) امجھر شریف داؤد نگر ضلع گیا کے شمالی مشرقی گوشہ پر آباد ہے۔

(۳) ماخوذ از تذکرہ حضرت علی شیر شیرازی۔

(۴) رسالہ شیر شیرازی فارسی۔

(۵) تذکرۂ مجد میں تشریف آوری کا ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء میں مراجعت تیمور کے بعد لودھیوں کے عہدِ حکومت میں لکھا ہے۔

(۶) تاریخ داودیہ

(۷) آپ کو پرگنہ منورہ کی ولایت حاصل تھی اور اکبری عہد میں منصب قضا پر مامور تھے۔

(۸) آپ رؤسا اور زمین داران کا راسے ہیں، سلسلۂ نسب سیدنا تک پہنچتا ہے اور علم پروری کے لحاظ سے آپ کی ذات مغتنمات میں سے ہے، مدرسہ قادریہ کارا کا قیام آپ کی علم پروری کی ادنیٰ مثال ہے، حماہ اللہ۔

(۹) افسوس کہ جناب موصوف کے سوانحِ حیات تفصیل کے ساتھ معلوم نہ ہو سکے، جو کچھ معلوم ہو سکے لکھے جاتے ہیں۔ (معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۲۸)

یہ تبرکات اب موضع بمنڈ یہہ (تحصیل اوبرا) ضلع اورنگ آباد بہار میں شاہ منظر علی واثق قادری کے پاس ہیں، اور ان کے صاحبزادے شاہ محاسن علی قادری ان کے نگراں ہیں۔ ۱۱ ربیع الثانی کو ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ (طلحہ)

تذکرہ حضرت سیدنا امجھری

حکیم سید عبدالجلیل قادریؒ